ملاقاتیں

ملاقاتیں

جلد دوم

از

خادم مصطفیٰ

ابن

سیدہ امۃ الرشید بیگم صاحبہ

ملنے کا پتہ:- خادم مصطفیٰ اوکاڑہ

ملاقاتیں

جلد دوم

از

خادم مصطفیٰ

ابن

سیّدہ امت الرشید بیگم

ملنے کا پتہ

خادم مصطفیٰ اوکاڑہ

بار اول اورینٹل پریس منٹگمری تعداد ایک ہزار

غلطی

ویسے تو کاتب و پریس کی مہربانی سے میری ساری کتاب ہی غلط ہے ۹ صفحہ کی بجائے پندرھواں ۱۰۰ کی بجائے ۲۰۳ لکھ دیا۔ ۱/۷ کا ۲/۷ کر ڈالا لیکن ہے میری اولاد بہت ڈھیٹ پھر بھی مزہ دے رہی ہے۔ اور باوجود تسلسل نہ ہونے کے تسلسل قائم۔ چند فحش غلطیاں جنہیں میں ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ جلد اول کی لکھے دیتا ہوں۔

میر انور سعید صاحب احمدی نہیں ہوئے۔

مجھے نیند نہ آئی تھی

مولانا مولوی محمد عالم صاحب حنفی تھے۔ اور اہلحدیث نہیں تھے۔ دہلی میں آپ مولانا مولوی نورالدین صاحب کے ہم جماعت تھے۔ ریاض احمد صاحب عالی جاہ اور شیخ صدیق صاحب نے سردار صاحب کے پاؤں نہیں پکڑے تھے۔ بلکہ صرف شیخ اشرف صاحب نے اُن کے ٹخنے کو ہاتھ لگایا تھا۔ اور دبی زبان سے کہا تھا۔ کہ جی جی آپ کا گٹا کھینچ لیا جائے گا۔ میری تصنیفات سچے واقعات پر مبنی ہیں۔ آج سے پانچ ہزار سال سے لیکر آج تک کسی صحافی نے اپنے کمین پر ڈیڑھ سو صفحے سپرد قلم کئے ہوں۔ پہلی جلد میں تو بدمزگی نہیں ہے۔ وہ غلطی کا ہی نتیجہ ہے۔ لوگ اولاد کو غلطی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں۔ کہ اوے تو کس کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ یعنی تیرا باپ کون ہے!

مؤلف

وصیّت

دُنیا میں تقریباً عام لوگ وصیت کر جاتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے ناخون پر سیاہی نہ ہونے کی وجہ سے سوئی کے ساتھ وصیت کی۔ ناخون کمزور تھا۔ اور آسانی سے جُدا ہو گیا۔ اور جو شخص موجود تھے۔ ان میں ایک کو دے دیا۔

۲۔ ایک قیدی نے جس کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ اس نے اپنے خون سے حوالات کی دیوار پر وصیت لکھ دی۔ جیل کے داروغہ نے دیوار کا وہ حصہ جس پر وصیت تحریر تھی۔ محفوظ کر لیا۔ تب وصیت کا کسی عدالت میں ذکر ہوا۔ تو وہی دیوار کا ٹکڑہ عدالت میں پیش کیا گیا۔ اور اس وصیت پر عمل کیا گیا۔

۳۔ سب سے عجیب وصیت چلّی کے باشندے نے کی تھی۔ کہ میں اپنا وصیت نامہ اور روپیہ بنک آف انگلینڈ میں جمع کر چکا ہوں۔ کہ میری پانچویں پشت میں جو میرا وارث ہو۔ اس کو مل جائے۔ پانچویں پشت میں ایک لڑکی تھی۔ اس لڑکی کے پاس وہ رقعہ تھا۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ بنک آف انگلینڈ میں سب کچھ تھا۔ مگر یہ وصیت نامہ اور

روپیہ غائب تھا۔

۴۔ ایک شخص نے وصیت کی۔ کہ جب میری اولاد سنِ شعور کو پہنچ جائے۔ تو میری جائداد ان کو مل جائے۔ اس وقت اس کے دونوں لڑکوں کی عمر ۲۵ اور ۲۸ سال کی تھی۔ اور سنِ شعور کو انسان ۶۲ اور ۶۴ سال کی عمر تک پہنچتا ہے۔ کریں تماشا کریں خرچ پیسہ۔

۵۔ لیکن میری وصیت میں کوئی کسی قسم کی پابندی نہ ہوگی میری اس وقت جائداد چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ میری دلی خواہش رہی۔ کہ جس شہر میں بھی میں رہوں وہاں ایک ترقی یافتہ ملک جیسی ایک لائبریری بناؤں۔ اپنی زندگی میں ایک لائبریری بنا دوں گا۔ اور باقی جائداد کا ایک ٹرسٹ بنا دوں گا۔ میری جائداد کی جو آمدنی ہو۔ اس کا ۲۵ فی صد نکال کر ہر سال مارچ کے مہینے ایک راگ سبھا منعقد کی جائے۔ جو کہ تین دن تک جاری رہے۔ اور جو سب سے اچھا گائیک ہو۔ اس کو سونے کا تمغہ دیا جائے۔ اور اس پر خادم مصطفےٰ ابن سیدہ امت الرشید بیگم کندہ کیا جائے۔ اور میرے ٹرسٹ کے جتنے بھی ممبر ہوں گے۔ ان کا

ذکر میں اپنی تصانیف میں کرتا جاؤں گا اگر اس سمے محرم یا رمضان
شریف آن تشریف فرما ہو جائیں۔ تو محرم میں تین روز مرثیہ خوانی
اور ماتم بھی ہو۔ رمضان میں انہیں نعت خوانی بھی ہوا کرے۔

شیخ ریاض احمد عالی جاہ صاحب جلال آبادی اُن
کو عالی جاہ اس لیئے کہتے ہیں۔ کہ جب بھی کوئی شخص ان کو
پکارتا تھا۔ تو جواباً یہ کہا کرتے تھے کہ عالی جاہ میں آیا۔ لہذا یہ
عالی جاہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہت ہمدرد آدمی ہیں۔
ان کے والد ماجد شیخ سعید احمد صاحب جج تھے۔ ان کے دادا
شیخ نظام الدین صاحب وزیر اعظم کپورتھلہ تھے۔ ان کا شجرہ نسب
کاکڑ خاں سے جا ملتا ہے۔ جس کی قبر میں غزنی میں جا
کر دیکھ آیا ہوں۔ میں جب آٹھ سال کا تھا۔ تو ٹبالہ میں اپنے
ننھیال کے گھر گئے ہوئے تھے۔ اس سمے میرے پھوپھا خان بہادر
غلام حسن کی تبدیلی برما میں ہوئی۔ جب وہ برما جانے لگے۔ تو وہ
سامان کو بڑی بیٹھک کی الماریوں میں محفوظ کر کے رکھ گئے
تھے۔ جب وہ الماری میں سامان رکھ رہے تھے۔ تو میں بھی
موجود تھا۔ سب سے زیادہ مجھے ایک چیز پسند آئی۔ جو کہ میاں
عبدالرفیع کے لڑکپن کی فوٹو تھی۔ جب وہ برما چلے گئے۔ تو میں

نے ریاض احمدؐ صاحب جو کہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ مجھے ایک چیز الماری میں سے نکال دو۔ انہوں نے کہا۔ الماری کو تالا لگا ہوا ہے۔ میں نے ضد کی۔ اور ساتھ ہی رونا شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا بیٹیا روئیے مت میں ابھی تالا توڑ کر نکال دیتا ہوں۔ جب انہوں نے تالا توڑا۔ کہ وہ کونسی چیز ہے۔ میں نے جلدی سے میاں عبدالرفیع کی بچپن کی فوٹو نکال لی۔ مگر اس الماری میں اور بھی بہت سی قیمتی چیزیں موجود تھیں۔ اور وہ تصویر پاکستان بننے تک میرے پاس موجود تھی۔ میری عمر ساڑھے آٹھ سال کی تھی اور بازار سے نیا تالا لا کر الماری کو لگا دیا۔

عالی جاہ دلی ہمدرد اور سخی بھی ہیں۔ اور آپ پائے کے طبیب ہیں۔ ہومیوپیتھک میں کافی دسترس اور طب جدید پر حاوی ہیں۔ جب آپ سندھ حیدرآباد میں تھے۔ تو انہوں نے سارے

لبیک حج ۱۹۶ الہیلیہ اونکہ ۔ گھر لے چشتیہ ۱۸۰ نمبر احمد ۔ ۱ نمبر ۱۲۱ ۔

شہر کا اپریل فول اڑایا۔ قصہ یوں ہے۔ کہ انہوں نے ایک بہت
بڑا ہال کرائے پر لیا۔ اور اشتہاروں اور منادی کے ذریعہ یہ
اعلان کرایا۔ کہ یکم اپریل کو پٹوردن گوہر جان کلکتے والی اور بھائی
چھیلا گمریہ دونوں فوت ہو چکے تھے۔ ممتاز بھائی ادم کار ناتھ
اودیدے شنکر خانصاحب عبد الکریم جناب فیاض خاں کا گانا
فلاں ہال میں سنایا جائے گا۔ اس کے بعد ایک جادو کا کھیل ہوگا
جس میں گدھی کھجوروں پر چڑھیگی۔ یکم اپریل کو وقت مقررہ پر

جب پاکستان بنا اور فسادات شروع ہوئے۔ ریاض احمد صاحب
جو کہ جلال آباد کے بہت بڑے رئیس تھے۔ باہر سے جلال آباد
میں واپس آگئے۔ تاکہ اپنے گاؤں میں مسلمانوں کی رکھوالی کر سکیں
جلال آباد کے قریب ایک رام پور گاؤں ہے۔ وہاں اس علاقہ
کے سب سکھ اور ہندو جو کہ تعداد میں بیس اور بائیس ہزار کے
لگ بھگ تھے۔ جمع ہو گئے۔ اور ایک جلال آباد کا ہندو فوج کا
کپتان ان سب سکھ اور ہندوؤں کو فوج کا اسلحہ مہیا کرتا تھا۔
۵ راگست ۱۹۴۷ء میں اس ہندو کپتان نے ریاض احمد صاحب
کو غلطی سے دھمکی نے دی۔ کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی
فرمانے لگے۔ تم لوگوں کو پشاور کا میدان بھول گیا۔ آپ کو ہلدی گھاٹ

ریکارڈ بجنے شروع ہو گئے۔ جب ریکارڈ ختم ہو گئے۔ تو چند سیر کھجوریں لائی گئیں۔ اور

دکھایا جائے گا۔ اور پانی پت کے سب میدان آپ کی آنکھوں کے سامنے نظر آئیں گے۔ ابھی کانگریس کے خفیہ اجلاس میں یہ طے پایا ہے۔ کہ ملک کے بٹوارے کے فوراً بعد افغانستان سے درخواست کی جائے گی۔ کہ ہمارے سومنات کے مندر کے دروازے واپس کر دے۔ اور ایک لاکھ ٹکے کے حساب سے فی کس لگا۔ یہ لٹتوں کی بات نہیں یہ آج ہی دیکھ لینا۔ اور عالی جاہ نے اس کو اس زور سے تھپڑ مارا۔ جس کی وجہ سے وہ گر گیا۔ اور اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا بول بھلا لاش بھی بول سکتی ہے۔ اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اور اس بات کا انتظام کر دیا گیا۔ کہ کوئی خبر گاؤں سے باہر نہ جائے۔ جب شام تک سکھوں اور ہندوؤں کو کوئی خبر نہ ملی۔ تو ۲۶ اگست علی الصبح بیس بائیس ہزار کے لگ بھگ سکھوں نے بندوقوں تیغوں اور کلہاڑیوں سے لیس ہو کر دھاوا بول دیا۔ ایک شخص نے عالی جاہ سے کہا۔ کہ ہم تعداد میں کم ہیں۔ اور وہ بہت زیادہ ہیں۔ عالی جاہ نے کہا۔ کہ ان سب کی موت کمین میں تاک لگائے بیٹھی ہے۔ جو یہاں رہے گا۔ بطور لاش رہے گا۔ جو بھاگ جائے گا۔ وہ زندہ رہے گا۔ جوں ہی یہ سکھ ان کی

زد میں آ گئے۔ تو انہوں نے چار دستی بم اور بہت سی تعداد
میں سنی ٹنامے چھوڑ دیئے۔ اس سے ان میں گڑبڑ پیدا ہو گئی
عالی جاہ کی فوج ۳۱۲ اور ۲۷ کے درمیان نفوس پر شامل تھی۔
یعنی پورے سو آدمیوں نے ان پر دھاوا بول دیا۔ ان کے
دو سو آدمی مارے گئے۔ ایک ہزار مجروح ہوئے۔ باقی سب
بھاگ گئے۔ جلال آباد کے آدمیوں کو خراش تک نہیں آئی۔
اس کے بعد ہندو ملٹری اور پولیس آ گئی۔ عالی جاہ کو پکڑ لیا گیا۔
بہت بدنی سزا دی گئی۔ کھانا تو درکنار پانی تک بھی نہ دیا گیا مگر
حوصلے کی یہ بات کہ عالی جاہ نے پانی کے لئے بھی درخواست
نہ کی۔ ایک کپتان نے عالی جاہ سے پوچھا۔ کہ کیا مانگتے ہو میری
صرف ایک درخواست ہے۔ کہ مجھے جلد از جلد گولی کا نشانہ بنا
دیا جائے۔ اس پولیس افسر نے کہا۔ کہ تمہیں اسی طرح سزا
دی جائے گی۔ اور مار دیئے جاؤ گے۔ دو روز کے بعد حوالات
بھیج دیئے گئے۔ حوالات میں بھی سختی کی گئی۔ اور بعد میں جیل
میں بھی چکی کی کوٹھی میں بند کر دیئے گئے۔ تقریباً دس ماہ چکی
کی کوٹھی میں بند رہے۔ پھر جب قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ تو یہ بھی
پاکستان پہنچا دیئے گئے۔ جب میں نے ان کو پہلی بار دیکھا

تو بہت دُبلے ہو چکے تھے۔ کمزوری کی غدودیں گردن پر نمایاں ہو چکی تھیں۔ میں نے حیرانی سے پوچھا۔ کہ بھائی صاحب جیل میں آپ کو تکلیف دی گئی۔ فرمانے لگے۔ جتنی بھی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ جب میں واہگہ کے اس پار آیا۔ اور پاکستانی جھنڈا دیکھتے ہی سب تکلیفیں بھول گئیں۔ ان کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ اور ان کے دادا جان فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام مولا کریم آپ کو صحت اور زندگی عطا فرمائے۔ اور یہ میری ٹرسٹ کی کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

میجر ایم۔ ایس میاں

جون ۱۹۴۷ء میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ جب کہ آپ سری نگر کاشمیر میں سیر کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ میاں ریاض احمد بھی تھے۔ جو کہ میرے استاد میاں محمد شفیع کے بھائی ہیں۔ سری نگر میں میں تقریباً انہی کے ساتھ رہتا۔ دونوں سے مجھے اس پیار اور محبت بھی ہے۔ بہت اچھا وقت گذرا۔ بارہ سال میں ایک دفعہ ملاقات ہوئی ہے پھر نہیں ہو سکی۔ وہ یار زندہ صحبت باقی۔

میجر ایم۔ ایس میاں میرے ٹرسٹ کی کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

میاں محمد شفیع (م ۔ ش)

میاں صاحب میرے استادوں میں سے ایک استاد ہیں میں کئی دفعہ ان سے پٹا۔ اور جان بوجھ کر پٹ جایا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے علم تھا۔ کہ ان کی چپیت میں کوئی زور نہیں پہلا قصہ یوں ہوا۔ کہ اوکاڑہ میں میاں محمد ممتاز دولتانہ جو کہ اس وقت پنجاب کے وزیر تھے آگئے۔ میاں صاحب ان کے ساتھ تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ ایک تو تنہیم و تخور پر اور دوسرے رینالہ سٹیٹ پر اور دولتانہ صاحب کا پورا دورہ مجھے انگریزی میں لکھ کر دو۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ میں ہمیشہ اپنا علم اور ہنر چھپاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ میاں صاحب کب چاہئے۔ فرمانے لگے۔ کہ کل تک بھیج دینا۔ میں نے کہا۔ میاں جی آپ کا بھی ذکر کروں فرمانے لگے ضرور۔ میں نے عرض کی۔ کچھ تو ابھی ابھی لکھے دیتا ہوں۔ اور باقی کل ڈاک کے ذریعے لاہور بھیج دوں گا۔ فرمانے لگے ٹھیک ہے۔

Mian Mohd Shafi

The Dawn told mian that I am of Karachi representative of not now of Pakistan times.

ترجمہ۔ میاں محمد شفیع دی ڈان کہا میاں کو کہ میں ہوں کراچی کا اور نمائندہ کا نہیں اب پاکستان ٹائم کا۔ جونہی انہوں نے اپنی نظر میری لکھی ہوئی انگریزی پر ڈالی غصے سے فرمانے لگے۔ او میراثی یہ کیا لکھ رہے ہو۔ میں نے کہا۔ صاحب دیکھئے کیسی شستہ انگریزی لکھ رہا ہوں۔ بھلا کون سی غلطی ہے۔ اس زور سے چانٹا رسید کیا۔ اور وہ کاغذ جس پر میں نے لکھا تھا۔ لے کر پھاڑ ڈالا۔ میری خلاصی ایک چپت سے ہوئی۔ اور چوٹ بھی نہ آئی۔ مجھے ہمیشہ خرچنے کو پیسے بھی دے دیا کرتے ہیں

ایک دفعہ رات کے دس بجے مجھے کیفے اور ینٹ ریسٹورینٹ میں ملے۔ میں نے شراب خوب پی رکھی تھی۔ لاہور کے ٹھیکے سب بند ہو چکے تھے۔ اور میرے ہاتھ میں ایک سالم بوتل رم کی پکڑی ہوئی تھی۔ میں نے جب میاں صاحب کو دیکھا۔ تو سلام عرض کیا۔ فرمانے لگے۔

بیٹا کچھ کھاؤ پیو گے۔ میں نے کہا شراب پی رکھی ہے۔ اور کباب کھاؤں گا۔ کبابوں کا حکم دے دیا گیا۔ ایک شخص جوان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔ میاں صاحب یہ کون آدمی ہے۔ میاں صاحب نے اس سے کہا یہ میرا تابعدار اور چاہیتا شاگرد ہے۔ اس نے کہا۔ اس کو کہو کہ جو بھری شرابی بوتل اس کے ہاتھ میں ہے۔ فرش پر پھینک دے۔ میاں صاحب نے مجھے آواز دی۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف آنے لگا۔ تو فرمانے لگے۔ وہ بوتل بھی ساتھ لیتے آئیو۔ میں نے بوتل اٹھا لی اور ان کے قریب چلا گیا۔ فرمانے لگے۔ اس بوتل کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دو۔ میں نے ویسے ہی انگلیاں ڈھیلی کیں۔ اور بوتل فرش پر گرتے ہی پاش پاش ہو گئی۔

شرابی کبھی شراب نہیں پھینکتا۔ اور وہ بھی اس وقت جب کہ اس کو معلوم ہو کہ شراب کے ٹھیکے بند ہیں۔ کیونکہ میاں صاحب میری تابعداری دیکھنا چاہتے تھے۔ گو مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔

جب بھی میاں صاحب اوکاڑہ تشریف لاتے۔ یا تو مجھے بلوا لیتے ہیں۔ یا خود تشریف لے آتے۔ ایک دفعہ رات کے ۹ بجے

میری کوٹھی پر تشریف لائے۔ میں نے حسب عادت خوب پی رکھی تھی۔ جب آپ اندر تشریف لائے۔ تو مجھے پیار کیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ خادم مصطفےٰ کوئی شعر شراب پر سناؤ۔ میں نے کہا حضور ایک کیا بیسیوں۔۔ شعر۔

مئے رنگ و آب پیتا ہوں۔
بے حد و بے حساب پیتا ہوں
میں منافق نہیں جو چھپ کے پیؤں
بے تکلف شراب پیتا ہوں۔

شراب کا اصل میں کوئی بھی رنگ نہیں عدم
شراب تجزیہ احتساب کرتی ہے۔
جو اہل خرد ہیں بڑھاتی ہے آبرو ان کی
جو بے دماغ ہیں ان کو خراب کرتی ہے عدم

میاں صاحب شعر سن رہے تھے۔ اور جھوم رہے تھے۔ میں نے کہا میاں صاحب تجزیہ احتساب کے کیا معنی ہیں۔ فرمانے لگے۔ اللہ جلالہٗ تعالےٰ کا ارشاد فرمان ہے۔ کہ معنی خیز چیزیں کہا کرو۔ اور جس کے معنی ہوں۔ اس کو تجزیہ احتساب کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ استادی شاگردی تو حاضر مگر اس کے معنی

ہیں۔ کردو برید۔ کاٹ چھانٹ یعنی amylasis
میاں صاحب فرمانے لگے کوئی اور۔ میں نے کہا کوئی اور سنائے دیتا ہوں۔ ؎

رات کو پی شراب تو رات کٹ گئی۔
صبح کیا حساب تو ... ... پھٹ گئی

میاں صاحب میری ٹرسٹ کی کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

شیخ اسلم جاوید

شیخ اسلم جاوید سے پاکستان بننے کے بعد ملاقات ہوئی مجھ سے جغرافیہ پڑھا کرتے تھے۔ فیروز پور کے رہنے والے ہیں۔ بمبل کھتری ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ کا مہینہ تھا۔ کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں کمی گرم بنیان پہنا کرتا تھا۔ اور قمیص نہ ہونے کی وجہ سے مفلر لگا اوپر سے کوٹ پہن لیا کرتا تھا۔ میرے بھائی کا والد اسّی گز کپڑا اس لئے لایا۔ کہ یہ کپڑا زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے۔ میں نے اپنے بھائی کے والد سے کہا۔ کہ اگر آپ اس کپڑے میں سے چند گز کپڑا مجھے

دے دیں۔ تو آپ کی زکوٰۃ قبول ہو جائے گی۔ کیونکہ میرے پاس نہ تو کوئی قمیض ہے۔ اور نہ کوئی پاجامہ۔ میرے بھائی کے والد نے جواب میں چند گالیاں بک دیں۔ میں نے جواباً کہا۔ کہ زکوٰۃ تو درکنار صدقہ بھی مجھ پر جائز ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص رسول کریم صلعم کے پاس گیا۔ اور عرض کی۔ کہ حضور بہت تنگ دست ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ صدقہ دیں۔ اس نے کہا۔ کہ حضور میرے ہاں تو کچھ نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ روٹی تو کھاتے ہونگے۔ روٹی تو کھانے کے لئے مل جاتی ہے جواباً عرض کی! جی ہاں۔ حضور نے فرمایا۔ نیت یہ کرکے کہ میں صدقہ دے رہا ہوں۔ وہی روٹی خود کھالو۔ یہ حدیث سناکر میں اپنی کوٹھی سے باہر آگیا۔ مجھے میرے پیارے دوست شیخ اسلم جانے یدملے۔ کہنے لگے۔ یہ مفلر اور گرم پینٹ گرمیوں میں!۔ یہ کہتے ہی میرے گلے میں سے مفلر کھینچ لیا۔ دیکھا تو قمیض ندارد! فرمانے لگے۔ قمیض بھی نہیں۔ اور پاجامہ بھی نہیں پھر اچھا بھلا ہو گیا۔ انہوں نے مجھے کہا۔ کہ ٹھہرو میں ابھی آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گھر سے نوٹ آئے۔ دیکھا۔ تو ان کے ہاتھ میں بہت اچھی پاپلین کی قمیص تھی کہنے لگے یہ قمیض اوڑھ لو۔

اور اپنی دکان سے چند گز ٹھا دیا۔ تاکہ میں پاجامے بنا سکوں۔ اور کہا۔ کہ پیارے ڈاکٹر دیکھو میں نے تم سے ایک روپیہ قرض لیا تھا۔ یہ لے لو۔ مطلب یہ تھا۔ کہ درزی کی مزدوری ہے۔ اب بھی جب ملتے ہیں۔ کہ یار ڈاکٹر ادھر آئیو۔ اور اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ دیکھو میرے درزی نے یہ دو قمیصیں تنگ کر دی ہیں۔ جب میرے بھائی اور اس کے والد نے مجسٹریٹ کی وساطت سے مجھے حوالات میں بند کروا دیا۔ اور محمد اسلام مجسٹریٹ علاقہ نے قابل ضمانت جرم ہونیکے باوجود مجھے دو دن اور دو رات حوالات میں رکھا۔ جب میں حوالات سے باہر آیا۔ تو شیخ اسلم جاوید صاحب فرمانے لگے۔ کہ دیکھو۔ میرے مکان میں سب سے بڑا کمرہ معہ بجلی تمہیں دیتا ہوں۔ جب تک جی چاہے رہو۔ آج کل وہ ریل بازار خواجہ کٹ پیس کی دکان کے مالک ہیں۔ ان کے والد شیخ محمد بخش فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام۔ شیخ اسلم جاوید میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

شیخ محمد بلال اشرف

گر میں شیخ صاحب کو اشرف۔ بلال کہا کرتا ہوں۔ اور وہ اس کو پسند فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ اوکاڑہ میں وزیر کالیات تشریف لائے۔ جب میں نے ان سے بحیثیت نامہ نگار ملاقات کی۔ تو میں نے بلال صاحب کے متعلق ان سے کہا۔ کہ بلال صاحب اس زمانہ کے ولی ہیں۔ وزیر صاحب فرمانے لگے کہ کیسے؟ میں نے عرض کی کہ جناب جو اس زمانہ میں رشوت نہیں لیتا اور سرکار کا پورا کام کرتا ہے۔ وہ ولی ہے۔ ان کے والد ماجد حافظ احمد دین صاحب کو بھی میں ولی کہتا ہوں۔ دیکھئے اپنی اولاد کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ جب ان کے بڑے لڑکے محمد امین چشتی نے بی۔ اے کیا۔ تو میاں احمد دین صاحب نے دعا کی۔ کہ اے اللہ میرے بیٹے کو ایسے دفتر میں نوکری دلا۔ جہاں رشوت کا امکان نہ ہو۔ دوسرے ہی روز اکاؤنٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم ہو گئے۔ دیکھئے جب ان کا بیٹا اسلم ادیب صاحب جو کہ منٹگمری کے

آج کل ڈپٹی کمشنر ہیں۔ جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت گئے تو اس کو فرماتے ہیں۔ کہ دیکھو اویس تم ولایت جا رہے ہو پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔ میری دو نصیحتیں یاد رکھنا۔ پاک روزی کھانا اور کسی کے کہنے پر کسی دوسرے شخص پر ظلم نہ کرنا۔

میاں احمد دین صاحب اور ان کے والد محمد عبد اللہ کاروباری آدمی تھے۔ کاروبار میں کبھی بے ایمانی نہیں کی۔ ہمیشہ حلال کی روزی کھائی۔ محمد عبد اللہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان پہ ہزاروں سلام۔ اویس صاحب آج کل ڈپٹی کمشنر ہیں۔ باوجود صحت خراب ہونے کے دن رات کام کرتے ہیں۔ ایک دفعہ لاہور سے اپنی کار میں معہ اہل و عیال منٹگمری تشریف لا رہے تھے۔ ان کی چھوٹی بچی نے چلتی موٹر میں کہا۔ کہ ڈیڈی دیکھو۔ وہ جو سامنے ٹرک آ رہا ہے۔ ہماری موٹر سے لڑے گا۔ اپنی کار کو بچاؤ۔ مگر کسی نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے۔ بیر منٹ سے ٹرک کار میں لگا۔ مگر سوائے کار کی باڈی کے کوئی نقصان نہ ہوا۔ اس کے باوجود ٹرک والے کو کچھ نہیں کہا شیخ محمد بلال اشرف وزیر آباد کے رہنے والے ہیں۔ ہسٹری اور فارسی کے ایم۔ اے ہیں۔ اوکاڑہ کے محکمہ بجلیات کے افسر رہے ہیں،

اور اب ڈپٹی کلیمز کمشنر ہیں۔ مجھ سے ہمیشہ شفقت سے پیش آتے رہے ہیں۔ مگر بلال صاحب اپنی گوٹ لکھنا پسند نہیں کرتے خوش رہیں۔ دوستوں کے دوست ہیں۔

لہٰذا میاں احمد دین صاحب۔ ایم ادریس صاحب اور بلال صاحب میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ اور جو بھی ضلع کا ڈپٹی کمشنر ہو وہ بھی میری ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر ہوگا۔

لنڈن میں ایک روز میں شفیع ہوٹل گیا۔ وہاں مجھے چوہدری رحمت علی صاحب ملے۔ جنہوں نے پنجاب۔ سندھ بلوچستان۔ صوبہ سرحد۔ افغانستان اور ایران کا نقشہ بنایا ہوا تھا۔ کہ یہ ایک مملکت ہو جائے گی۔ جس کا نام پاکستان رکھا جائیگا مسٹر رحمت علی سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ جب میں واپس آرہا تھا۔ تو خیام ہوٹل میں ایک کانگریسی لیڈر جو پنڈت جواہر لعل نہرو کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔ کے اعزاز میں چائے پارٹی تھی۔ چائے کے بعد انہوں نے ایک تقریر کی۔ کہ جب آزادی حاصل ہوگی۔ تو مسلمانوں کا حساب اڑا دیا جائے گا۔ اردو کی جگہ ہندی کر دی جائے گی۔ گاندھی ٹوپی اوڑھنا لازمی ہوگی۔ بڑی فیکٹریاں قومی ملکیت قرار دے دی جائیں گی۔

مجھے امرتسر والے انجینئر مسٹر راؤ کا قصہ یاد آگیا۔ وہ اس طرح ہے۔ کہ میونسپل کمیٹی امرتسر کو اپنے بجلی گھر کے لیئے ایک الیکٹریکل انجینئر کی ضرورت تھی۔ اشتہار دیا گیا۔ جس میں تحریر تھا۔ کہ ایک ایسے الیکٹریکل انجینئر کی ضرورت ہے۔ جو فلاں فلاں ڈگری یافتہ ہو۔ انجینئروں کی طرف سے سولہ درخواستیں موصول ہوئیں۔ ان سولہ میں سے سب سے اچھی ڈگریاں ایک مسلمان کی تھیں مگر ملازمت پر ایک ہندو بنگالی مسٹر راؤ کو رکھ دیا گیا۔ ایک مسلمان میونسپل کمشنر نے کہا۔ نوکر اس کو رکھو۔ جس کی ڈگریاں زیادہ ہیں۔ ایک ہندو نے جواب دیا۔ کہ راؤ کی سب سے اچھی ڈگری یہ ہے۔ کہ وہ ہندو ہے۔ لہذا ہم اس کو نوکری دیتے ہیں۔ (شدھی کی بدھی ہوگئی) میں نے اس مقرر سے پوچھا۔ کہ حضور بھلے پکوڑیاں اور پاپڑوں کا کیا بنے گا؟ میرے ایک دوست سعید الانور نے کہا۔ کہ یہ کیوں نہیں کہتے۔ کہ تمام مسلمانوں کو شدھ کر دیا جائے گا۔ اور شدھی کی بدھی ہو جائے گی۔ اس پر وہ بچارے بہت سٹپٹائے۔ اس وقت تو ہم انگریز کی قید میں ہیں۔ پھر ہندو کے غلام ہو جائیں گے۔

جیل تو وہی رہے گی پہرے دار بدل جائیں گے۔

بی۔ ایل اروڑہ اور بھاٹیا جی مجھے مدن کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ اروڑہ نے مجھے ٹیلیفون کیا۔ کہ جلدی لیورپول آجاؤ۔ میں لندن سے لیورپول پہنچا۔ مجھے معلوم ہوا۔ ایک آوارہ لڑکی نے ان پر دعویٰ کر رکھا ہے۔ کہ اس کا حرامی بچہ اروڑہ کا ہے۔ وہاں عام دستور تھا۔ کہ آوارہ لڑکیاں بڑے بڑے ہندوستانیوں اور افسروں پر اس قسم کے دعویٰ کر دیا کرتی تھیں۔ یعنی حمل کسی کا اور دعویٰ کسی پر۔ میں نے اروڑہ سے کہا۔ آپ فکر نہ کریں۔ یہ بچہ تو میرا ہے۔ وہ لڑکی میرے پاس آیا کرتی تھی۔ عدالت میں میری شہادت ہوئی۔ میں نے عدالت میں کہا۔ میرا اس لڑکی سے دوستانہ رہا ہے۔ اور اس قسم کا ایک فوٹو بھی عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے کہا۔ تمہیں اس کا خرچہ دینا ہوگا۔ میں نے منظور کر لیا۔ خرچہ تین پونڈ فی ہفتہ یعنی ایک سو چھبیس روپے ماہوار مقرر ہوا۔ میں نے عدالت سے عرض کی۔ کہ میں سیزنل (seasonal) کام کرتا ہوں۔ اس لئے عدالت نے ڈیڑھ پونڈ فی ہفتہ منظور کیا۔

مہاراجہ ہری سنگھ والئے کشمیر ہزاروں روپے کا مسکہ لگوا چکے تھے۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ راجہ صاحب کے ایک انگریز

ملازم نے ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کر لی۔ اور اس کا مہاراجہ صاحب سے آنٹ سانٹ تعارف و دوستی کروا دیا۔ جب سرکار ہری سنگھ نے اس عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات استوار کر لئے۔ تو اس انگریز نے مہاراجہ ہری سنگھ کو ایک وکیل کے ذریعے نوٹس دے دیا۔ کہ آپ نے میری بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا کر لئے ہیں۔ میں آپ کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دوں گا۔ شری ہری سنگھ جی مہاراج اپنی سری چھپاتے پھریں۔ ادھر پرتاپ سنگھ کا خوف ادھر دعویٰ کا ڈر ہزاروں روپیہ دے کر خلاصی ہوئی۔

ایک شام گوپال بھاٹیا (جو میرے اب بھی گہرے دوست ہیں) میرے ہاں آ گئے۔ وہ بہت تھوکا کرتے تھے۔ میں نے بھاٹیا جی سے کہا۔ کہ اس ملک میں تھوکنا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ کہنے لگے۔ مجھے تھوک بہت آتا ہے۔ (چوہدری سر ظفر اللہ خاں کا قول ہے کہ جو میرے سامنے تھوکے مجھے اس سے نفرت ہو جاتی ہے) ہم تینوں ایک ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ کہ ایک نوجوان لیڈی جس نے ڈانسنگ گاؤن پہنا ہوا تھا۔ جا رہی تھی۔ بھاٹیا جی نے تھوکا تو اس کے گاؤن

پر پڑ گیا۔ اُس نے گھور کر میری طرف دیکھا۔ وہیں ایک سپاہی کھڑا تھا۔ اُس کو لے آئی۔ سپاہی نے پوچھا کس نے تھوکا ہے؟ جاٹیا صاحب بھاگ گئے۔ میں نے جواب دیا۔

(You Know me yawing fly in spit out)

میں نے جمائی لی۔ تو میرے منہ میں مکھی گھس گئی۔ اس لئے مجھے مجبوراً تھوکنا پڑا۔ اِس سمے جتنے میرے وہاں دوست تھے۔ مجھے مدن کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد میں شہنشاہ حبشہ کی ملاقات کو گیا۔ وہ نہایت تپاک سے ملے۔ میں نے دل دعا کی۔ کہ ان کی سلطنت انہیں واپس مل جائے۔ کیونکہ انہوں نے مظلوموں کی مدد اور کمزوروں کو پناہ دی تھی۔ میں نے عرض کی۔ کہ قدرت آپ کی ضرور مدد کرے گی۔ انہوں نے فرمایا ملتے رہا کرو۔ دنیا کے حالات ایسے تبدیل ہوئے۔ کہ شاہ حبشہ واپس تخت پر چلے گئے۔ مارشل بڈاگولیو فاتح ایبے سینیا اور وائسرائے ایبے سینیا کو بُری طرح حبشہ سے بھاگنا پڑا۔ حبشہ کی لڑائی میں اٹلی نے زہریلی گیس استعمال کی جو بین الاقوامی قانون کے خلاف تھی۔

ظالم دُنیا میں کبھی پھل پھول نہیں سکتا۔ خادم مصطفےٰ جیسے عاجز

مسکین کی دُعا ضرور سنی جاتی ہے بشہنشاہ جشن کے روز یہ کام آئے۔

میرا عموماً آنا جانا ٹلنی مسجد میں ہوتا تھا۔ ایک دفعہ مولوی شیر علی صاحب نے فرمایا۔ کہ خادم مصطفےٰ تم یہاں آجایا کرو۔ میں عام طور پر حاضر خدمت ہو جاتا۔ اور آپ جو بھی حکم دیتے۔ بجالاتا۔ قرآن پاک کا ترجمہ انگریزی میں کرتے تھے۔ میں اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق خدمت کر دیتا تھا۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے قرآن کے انگریزی ترجمے میں مدد فرمائی۔ اور وہ انگریزی ترجمہ کا پروف دیکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں مولوی عبدالرحیم درد صاحب سے خفا ہو گیا۔ میں نے ان کو ٹیلیفون کیا۔ کہ میں ان کے متعلق حضرت صاحب کو خط لکھنے والا ہوں۔ درد صاحب اتنا ڈرے۔ کہ مولوی شیر علی صاحب کو فوراً میری جائے رہائش پر بھیجا۔ مولوی صاحب مجھے فرمانے لگے۔ کہ دیکھو خادم مصطفےٰ شکایت اچھی نہیں ہوا کرتی۔ میں نے کہا۔ میں تو یونہی دھمکا رہا تھا۔ میں تو ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ درد صاحب فوت ہو چکے ہیں ان پر ہزاروں سلام لائیڈ جارج کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں ان کی

تقریر دیوانِ عام میں سننے جایا کرتا تھا۔ وہ پہلی جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ کے وزیر اعظم تھے۔ بہت شستہ انگریزی بولتے تھے۔ اس کے بعد سروجنی نائیڈو۔ پنڈت مدن موہن مالوی۔ راج گوپال اچاریہ۔ قاضی محمد اسلم وائس پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور۔ سید محمد قاسم رضوی مہتمم بندوبست اور مولانا عبدالرحیم درد یہ سب بہت شستہ انگریزی بولنے والے تھے اور جب یہ لوگ انگریزی میں تقریر کرتے تو انگریز جھومتے۔ نفیس خلیلی جیسا اردو کا لہجہ کسی کا نہیں سنا۔ نفیس صاحب ٹھیٹھ پنجابی تھے۔ اور کلانور ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ جب لاہور ریڈیو اسٹیشن پر تقریر کرتے۔ تو تمام لکھنؤ کے بڑے بڑے ادیب اور صحافی بے اختیار پکار اُٹھتے۔ کہ حقیقت میں لاہور والوں نے کوئی لکھنوی ملازم رکھا ہوا ہے۔ ان کو گمان تھا۔ کہ ایسا لب و لہجہ کبھی پنجابی کا نہیں ہو سکتا۔ بہت ٹکسالی اردو الفاظ بولا کرتے تھے۔

جب میں سنگنس گیا۔ تو میں نے حضرت مولوی شیر علی صاحب سے دعا کی درخواست کی۔ جواب آیا۔ کہ تجھے بہت دولت ملے گی۔ تو بابرکت ہو گا۔ تیری دولت میں بھی برکت ہو گی۔

عزت پائے گا۔ ہر دل عزیز ہو گا۔ جو تجھ سے بغض رکھیگا۔ ذلیل ہو گا۔ اور جو تجھ سے ہمدردی کرے گا۔ دنیا میں سکھ پائے گا۔ اور تو سیٹھ بن جائے گا۔ واقعی ایسا ہی ہؤا۔ کانپور رلواڑی اور کلکتہ میں میں سیٹھ کہلاتا رہا۔ جب میں کانپور یا رلواڑی اسٹیشن پر اترتا۔ اور یونہی ہمر بنس مارکیٹ میں میری آمد کا پتہ چلتا۔ تو بھاؤ ایک روپیہ فی من تیز ہو جاتا۔ ایک دفعہ میں نے پھر مولوی شیر علی صاحب کو دعا کیلئے خط لکھا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ فخر دین ملتانی نے بہت فتنہ پھیلا رکھا ہے۔ اور ہمارے پیارے محبوب امام کو بہت گالیاں دیتا ہے۔ اے اللہ ان فتنہ پردازوں کا قلع قمع کر دے۔ اور اپنے امام کی مدد کر۔ دوسرے روز قادیاں سے لندن میں تار پہنچی۔ کہ کسی نے فخر دین ملتانی کو قتل کر دیا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہؤا۔ کہ قتل اسی وقت ہؤا۔ جب مولوی صاحب متذکرہ بالا فقرہ لکھ رہے تھے۔ مولوی صاحب مجھ سے بہت مذاق کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے قادیاں میں مولوی صاحب سے کہا۔ پان کھالیں کہنے لگے مجھے الکل (طریقہ) نہیں آتی۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے ایک تالی دی۔ کہ یہ تالا کھولو۔ مگر وہ چور تالا تھا۔ میں تالی گھماتا جاؤں۔ مگر

نالا نہ کھل سکا۔ اور مولوی صاحب ہنس رہے تھے۔ انہوں نے اس سوراخ کی بجائے ایک اور سوراخ بنایا۔ اور نالا کھل گیا مولوی صاحب کو جماعت کے مخالف بھی فرشتہ کہا کرتے تھے۔ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام۔

لندن میں چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں نے ایک دفعہ کہا۔ کہ شراب کی بجائے یہاں کوکو پینی چاہیئے کوکو لذیذ چیز ہے۔

ایک روز ٹیلیفون آیا۔ کہ مرزا ناصر احمد صاحب بیمار ہو گئے ہیں۔ اور درد صاحب فوراً ان کے ہاں پہنچے۔ میں نے سر کی ہش کی۔ ناک کے غرارے کروائے۔ گرم پانی کی ایک پیالی آدھا لیموں ڈالا۔ اے۔ پی۔ سی کی ایک پڑیا دی۔ لیموں کا گرم پانی پینے کو دیا۔ ایک گھنٹے میں شفا ہو گئی۔ گو آپ سگریٹ نہیں پیتے تھے۔ لیکن میرے لئے سگریٹ منگوائے۔

قارئین۔ مالش بہت مفید چیز ہے۔ آپ مالش ضرور کروائیں۔ مگر اہر نسری مالش سے گریز کریں۔

اسی اثنا میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے لڑکے میاں مظفر صاحب تشریف لائے۔ پوچھنے لگے۔ کہ تیرے پاس کشمیر کا مال ہے۔ کرسمس کے دن قریب ہیں۔ لوگوں کو تحائف

بھیجتے ہیں۔ تحفے تحائف تب سے جاری ہیں۔ جب سے انسان عالم وجود میں آیا ہے۔ مگر کرسمس کارڈ برطانیہ میں ۱۸۴۳ء میں رائج ہوئے۔ میں نے عرض کی آپ میرے فلیٹ پر تشریف لائیں۔ اور پسند کریں۔ انہوں نے دوسرے روز ایک اخروٹ کی لکڑی کا بنا ہوا ڈبہ ہاتھی دانت کی مالا اور کچھ دوسری چیزیں پسند فرمائیں۔ تو میں نے ان کو دے دیں۔ فرمانے لگے پیسے میں نے عرض کی۔ میں طالب علموں سے پیسے نہیں لیا کرتا۔ جب آپ برسر روزگار ہو جائیں گے۔ تو لے لوں گا۔ جب بھی ملے۔ بڑے تپاک سے ملے۔ قدرت ان کی ہمیشہ مدد کرے گی۔ میرا پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس خاندان سے مجھے بے حد محبت ہے۔ ایک روز میرے ایک دوست نے مجھے کہا۔ کہ ڈارلنگ آؤ شادی کریں۔ میں نے جواب دیا۔ آؤ کریں۔ مسٹر عبدالقادر بی۔ ایل اللہ دا شیخ احمد جو پاکستان کے بہت بڑے مصور ہیں۔ بڑے بڑے ہندوستانی اور انگریز تاریخ مقررہ پر خیام ہوٹل میں اکٹھے ہو گئے۔ میری محبوبہ جس کا نام روزی تھا۔ شادی سے ایک گھنٹہ پہلے بیمار ہو گئی۔ ڈاکٹر نے کہا۔ کہ اپریشن ہوگا۔ اپریشن ہوا۔ اور صبح فوت ہو گئی۔

رہے نام اللہ کا۔ مرنے سے پہلے مجھے کہنے لگی۔ کہ دیکھو ڈارلنگ
اپنی ہیرڈں والی انگشتریاں لے لو۔ میں جب اچھی ہو جاؤں گی
لوٹا لوں گی۔ وہ انگشتریاں ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔
سنگگنس میں ایک چھوکری میرے پاس روزانہ آ جاتی۔ اور مجھ
سے خوب باتیں کرتی۔ میں نے ایک روز اس سے پوچھا۔ کہ آپ
روز آجاتی ہیں۔ اور میرے لئے چیزیں بھی لاتی ہیں۔ کیا بات ہے
کہنے لگی۔ جب آپ انگریزی بولتے ہیں۔ تو بہت بھلے معلوم
ہوتے ہیں۔ میں سمجھ گیا۔ کہ جیسے ہمارے سامنے پٹھان اردو
بولتے اچھے لگتے ہیں۔ ویسے ہی میں اچھا لگتا ہوں گا:۔

محمد ریاض الحق

اوکاڑہ کرکٹ کلب کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ خود بھی گیند بلا
کے کھلاڑی ہیں۔ آپ شاعر بھی ہیں۔ آپ کے والد ماجد
ایم رحمت اللہ پایہ کے شاعر تھے۔ فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر
ہزاروں سلام۔ آپ کو کھانے اور کھلانے کا بہت شوق ہے۔
دلی ہمدرد ہیں۔ اور پیارے دوست ہیں۔ میں نے ان کو کبھی

رنج میں نہیں دیکھا۔ ہمیشہ چہرہ کھلا تار ہتا ہے۔ نفاست پسند بھی ہیں۔ باوجود نفاست پسند ہونے کے بہت محنتی ہیں۔ کسی کام کو ادھورا نہیں چھوڑتے۔ بہت دیانتدار ہیں۔ لہذا میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

نصیر احمد چیمہ

چٹھہ اور چیمہ دونوں بھائی نصیر احمد صاحب کے بزرگ تھے۔ جو چٹھہ سے اولاد ہوئی۔ وہ چٹھے کہلاتے ہیں۔ اور جو چیمہ سے نسل چلی وہ چیمے۔ نصیر احمد صاحب کا قول ہے۔ کہ چٹھے راجپوتوں کے باپ ہیں۔ کیونکہ مان سنگھ نے تو اکبر کو بہن دے دی تھی۔ گوجر سنگھ جاٹ نے اکبر کو جواب دے دیا تھا۔ یہ قوم ۸۰ گاؤں میں بسی ہوئی ہے۔ یعنی وزیر آباد سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ چیمہ اور چٹھے پہلے ہندو تھے۔ بعد میں سکھ ہوئے۔ اور سکھ ہونے کے بعد مسلمان ہوئے۔ میں نے نصیر احمد سے کہا۔ کہ بھیا عیسائی کب ہوں گے۔ فرمانے لگے۔ کہ اب عیسائی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مذہب اسلام اچھا ہے۔ جیسے طبعاً

شریف اور وفادار ہوتے ہیں۔ دوستی جب لگ جائے۔ تو نبھاتے ہیں۔ چٹھے دلیر اور دوستی پالنے والے ہوتے ہیں بمثل مشہور ہے چیمہ اور چٹھے "کھان نوں علیحدہ علیحدہ تے لڑن نوں اکٹھے"۔ یعنی چیمہ اور چٹھے کھانے کو علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اور لڑائی کے موقعہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جب گجرات کے قریب موضع چیلیاں والا کے مقام پر سکھوں اور انگریزوں کی لڑائی ہوئی۔ تو ان دونوں قوموں نے انگریز کی مدد کی۔ کیونکہ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور سکھوں نے ان پر بہت مظالم ڈھائے۔

نصیر احمدؐ میرے پیارے دوست نے ابتدائی تعلیم چیچا وطنی میں لی۔ اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے کیا۔ آپ ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک فٹ بال کے کپتان رہے۔ وہ فل بیک کھیلا کرتے تھے۔ اور چٹان جبرالٹر کہلاتے تھے۔ یعنی

(Rock of Jabraltar)

آپ گورنمنٹ کالج کے کسٹوڈین بھی تھے کسٹوڈین کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ طالب علم جو طالبات کی نگرانی اور نگہبانی کرے۔ تاکہ کوئی شرارتی طالب علم کسی لڑکی کو دق نہ کرے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سوندھی کی بیٹی نے نصیر احمد صاحب سے

کہا۔ کہ اقبال سنگھ جو کہ اس وقت لاہور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ اس کے لڑکے برجن سنگھ نے مذاق کیا۔ اسی وقت نصیر احمد نے برجن سنگھ کے منہ پر چانٹا مارا۔ کہ برجن سنگھ کا دانت نکل کر باہر گر پڑا۔ پرنسپل نے نصیر احمد کو بیس روپے جرمانہ کر دیا۔ مگر ڈپٹی کمشنر نے تھانہ سول لائن میں نصیر احمد کا زیر دفعہ ۳۲۵ میں پرچہ کروا دیا۔ اس پر پہلے تو پرنسپل نے نصیر احمد کا جرمانہ معاف کیا۔ اور بعد میں گورنر نے کہا۔ کہ یہ پرچہ واپس لیا جائے۔ اور ڈپٹی کمشنر کو یہاں سے تبدیل کر دیا جائے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ پاکستان میں نوکریاں نہیں ہیں۔ مگر خادم مصطفیٰ چادر کہا کرتا ہے۔ چوتھی وہ ہے۔ کہ جس شخص نے ماتحت رہ کر ملازمت کرنی ہو وہ اس صاحب کا ماتحت ہو جائے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ اگر افسر ماتحت کا خیال نہ کرے۔ تو اور کون کرے گا۔

۱۔ جج ہائی کورٹ

۲۔ گورنر اور نمبر ۳ پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور

نصیر احمد کو جو کوئی پوچھتا ہے۔ کہ آپ کا وزن کتنا ہے۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ ایک من اٹھی سیر۔ میں نے عرض کیا۔ کہ کھانا کھانے کے بعد آپ کا وزن کیا جائے۔ تو کتنا ہو جاتا ہے۔ کہنے لگے۔ پانچ سیر اور بڑھ جاتا ہے۔ بہت سمجھدار اور مخلص دوست ہیں۔ لہذا نصیر احمد صاحب بھی میری ٹرسٹ کی کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

صادق علی (مرحوم)

آپ کا نام بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ صرف جوگی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ چھوٹے تھے۔ کہ ان کے والد ماجد [illegible] کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان کے والد پنڈدادن خان ضلع جہلم کے رہنے والے ہیں۔ شرارتوں سے تمام محلہ تنگ تھا۔ ان کے دو بھائی اور ایک آپ۔ گھر سے بھاگے اور تینوں ملٹری کے دفتر پہنچے۔ باقی تو ان کے دونوں بھائی بھرتی ہو گئے۔ یہ اس لیے بھرتی موٹر ڈرائیور نہ ہو سکے۔ کہ ان کا لانبا قد تھا۔ ۱۹۱۸ء میں منٹگمری آگئے۔ پھر لاہور چلے آئے۔ وہاں سے گوجرانوالہ آگئے۔ اور سنگر کمپنی میں ملازم ہوئے۔ اور اسی کمپنی کی ایک شاخ کے منیجر ہوئے۔ [illegible] جب یہیں چک جھمرہ میں بھی شاخ تھی۔ وہاں بھی منیجر رہے۔ اپنی تمام تنخواہ اپنی والدہ ماجدہ کو منی آرڈر کے ذریعہ بھیج دیتے۔ وہ بہت دعائیں کرتیں۔ آپ [illegible] موسیقی ہیں۔ ان [illegible] سنگر مشین کمپنی کی ملازمت چھوڑ کر پھر منٹگمری آگئے [illegible] لوہے کی فرم میں سٹور کیپر رہے۔ اپنی زندگی

میں انہوں نے بہت اتار اور چڑھاؤ دیکھے تھے۔ منٹگمری سے پھر بھاگ گئے۔ تیسری دفعہ جب منٹگمری آئے۔ تو آپ سید خادم علی شاہ صاحب جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے ادیب تھے ان کے منشی ہو گئے۔ صادق علی کہا کرتے ہیں کہ جتنا ادب اردو میں نے سید خادم علی شاہ کے پاس رہ کر پایا ہے۔ اب کم نصیب نہیں۔ گو اب آپ کے پاس بیسیوں نوکر ہیں۔ وہ پیر بھی کام آئے پھر ایک شخص کو ہوٹل خرید کر دیا۔ وہ شخص جس کو ہوٹل خرید کر دیا تھا وہ بھاگ گیا۔ اس ہوٹل کا نام جوگی ہوٹل رکھا گیا۔ حفیظ جالندھری صادق علی کا لنگوٹیا ہے۔ یہ دونوں منٹگمری کے علاحدہ علاحدہ بنجر تھے۔ حفیظ جالندھری نے ان کو جوگی کہنا شروع کر دیا تب سے یہ جوگی کے نام سے مشہور ہیں۔ میں نے ایک دفعہ جوگی سے پوچھا۔ کہ بھیا جی میری شادی تو میرے بھائی احمد اور اس کے والد اور میری بھاوج نے نہیں ہونے دی۔ جوگی صاحب فرمانے لگے۔ کہ تو نے میری شادی کہ کسی برادری نے نہیں ہونے دی۔ حالانکہ میرے خیال میں ان جیسے خاوند بہت کم ہوں گے۔

غرض کہ ایک عورت نے کہا۔ کہ جوگی مجھے اپنے ساتھ باہر

کسی اور شہر میں چل کر ہم شادی کریں گے۔ کیونکہ اس
لڑکی کے والدین جوگی سے شادی نہیں چاہتے تھے۔ اس
عورت نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ اس عورت نے جوگی کو چٹھی
لکھی۔ کہ تم میرے جنازے پر مت آنا۔ ورنہ خدا کے دین دار ہو گے
شاید گئے یا نہیں گئے۔ شادی کے حامی ہیں۔ کہا کرتے ہیں۔ کہ
بغیر شادی شدہ انسان پر بے۔ جا الزام لگ جاتا ہے۔
رائی کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ خادم مصطفےٰ بھی شادی کا حامی ہے
مگر گندو ے پیدا کرنے کے خلاف ہے۔ ۳۔ ایک دفعہ سردار سنت سنگھ
ایس۔ پی نے حکم جاری کیا۔ کہ جوگی ہوٹل میں کوئی پولیس والا نہ کھانا
کھائے اور نہ رہائش پذیر ہو۔ صادق علی نے وکیل کے ڈپٹی
سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ایک نوٹس دلوا دیا۔ حتیٰ کہ ایس۔ پی
سردار صاحب کو حکم واپس لینا پڑا۔ میں نے تب ہی تو ذکر کیا تھا۔
کہ پہلی پنجاب پولیس دنیا کی بہترین پولیس ہے۔ مگر اس میں
سکھ افسر شامل نہیں۔ لہذا میں انہیں اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر بناتا
ہوں۔

۴۔ سنہ ۱۹۵۹ء میں دنیا میں ایک لاکھ بچے روزانہ پیدا ہوتے
ہیں۔

عبداللطیف انجم

پاکستان بننے کے بعد یہ میرے نئے دوستوں میں اضافہ کرنے والے ہیں۔ ادیب بھی ہیں اور ادیب نواز بھی فرمایا کرتے ہیں۔ کہ ہم دھامی راجپوت ہیں۔ ادکاڑہ ہاکی کلب کے جنرل سیکرٹری ہیں تحصیل اوکاڑہ ہاکی کلب کے اسسٹنٹ سیکرٹری ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ ایگزیکٹو سپورٹس کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔ آپ بہت مخلص دیانتدار اور محنتی ہیں۔ دوستوں کے دوست اور دوست کے دشمن کے بھی دشمن۔ مجھ سے ہمیشہ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ کبھی کبھی جب مجھے گالی دیتے ہیں۔ بہت لطف آتا ہے بسلامت رہیں۔ تندرست رہیں۔ لہذا یہ میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

چونکہ میرے نوادرا قلم عام طور پر گم ہو جایا کرتے تھے۔ آپ نے میرے قلموں کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ تقریباً ہر ماہ کے شروع مجھے ایک قلم خرید دیا کرتے ہیں۔ اور کئی دفعہ شراب کی بوتل کے لئے نقد روپے بھی عطا کرتے رہتے ہیں۔ خوشحال رہیں :-

خالد محمود صاحب

میرے پیارے دوستوں میں سے ایک دوست ہیں. انکے والد ماجد چوہدری عبدالحمید صاحب گھوڑے واد راجپوت ہیں۔ ان کے جد امجد رائے روپ چند پہلے مسلمان ہوئے. اور اسلامی نام شیخ عابد رکھا گیا. شیخ عابد کے کسی بزرگ نے شہاب الدین غوری کو ایک گھوڑا تحفہ کے طور پر دیا تھا. شہاب الدین غوری کی جان بچائی تھی. شہاب الدین نے خوش ہوکر رائے روپ چند کے بزرگ کو کہا. کہ صبح سے شام تک گھوڑے پر سوار ہوکر ایک چکر لگاؤ۔ اس چکر میں جتنی زمین آئے۔ وہ تیری ملکیت ہوگی۔ اور لگان معاف کر دیا۔ اس چکر میں ایک ہزار سات سو ساٹھ گاؤں آئے۔ جس میں تمام ہوشیار پور۔ جالندھر۔ اور کچھ حصہ لدھیانہ کا شامل تھا. لہذا گھوڑے واہ کہلوائے۔ خالد محمود صاحب اور ان کے والد عبدالحمید صاحب پائے کے ایڈووکیٹ ہیں۔ دلی ہمدرد ہیں۔ لہذا یہ ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ اور خوش وشاد رہیں۔ ادیب بھی ہیں۔ اور ادیب نواز بھی۔

حبیب احمد خاں لودھی

شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد
عزیز احمد خاں ایڈووکیٹ جنرل رہ چکے ہیں۔ دھوتن ضلع
کے ہیں۔ آپ اس گاؤں کے والد مالک تھے۔ ان کے چچا
نواب فخر یار جنگ جو حیدرآباد دکن میں وزیر تھے۔ حبیب احمد
خاں نے جالندھر۔ رہتک۔ شملہ اور لاہور میں تعلیم پائی۔
ہاکی کے بہت زبردست کھلاڑی تھے۔ فل بیک کی جگہ پر کھیلتے
تھے۔ ۱۹۴۵ء میں نوردرن انڈیا ہاکی ٹیم میں افغانستان گئے۔
افغانستان کی ہاکی ٹیم کے خلاف کھیلے جمخانہ کرکٹ کے ممبر
بھی ہیں۔ بہت فاضل ایڈووکیٹ ہیں۔
جب کبھی کسی کا کام کرتے ہیں۔ تو اس کو ذاتی کام سمجھ کر کرتے ہیں۔
میرے بہت بے تکلف دوست ہیں۔ جب مجھے کھاتا دیکھتے ہیں۔
مجھے بہت مزا آتا ہے۔ اور کہا کرتا ہوں

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

لہذا میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر بناؤں گا۔

جنرل عزیز احمد خاں

پہلی بار ان سے مجھے کپورتھلہ میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ میرا چچا بابو نیاز علی جو کہ سب انسپکٹر پولیس تھے۔ ایک تفتیش کے لئے کپورتھلہ ساتھ لے گئے۔ یہ ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے۔ ہم سیدھے جنرل عزیز احمد خاں کے پاس پہنچے۔ اس وقت وہ لیفٹیننٹ تھے کوٹھی کیا تھی۔ ایک محل تھا۔ شام کو تمام قسم کی شرابیں کھلیں۔ رقص شروع ہو گئے۔ پہلے تو میں نے خیال کیا۔ یہ مہاراجہ پرانے ہوں گے۔ بعد میں پھر کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ بہت خوبصورت انسان ہیں۔ بہت خوبصورت چہرہ اور ہونٹ اتنے شیریں ہیں کہ سلطانہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سلطانہ ایک قسم کا حلوان ہے۔ جو حضرت بوعلی قلندر کھایا کرتے تھے (اگر آپ کبھی پانی پت پہنچیں تو کہہ دیں۔ آپ کو ضرور سلطانہ کھلائے گا۔) اس وقت ان کی عمر ۵۲ سال کی ہے۔ پچیس برس کے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی اور میری ملاقات ستمبر ۱۹۴۷ء کو راجہ حسن اختر صاحب جو اس وقت ڈپٹی کمشنر کے ہاں ہوئی۔ میں نے

اُن کو دیکھ کر سلام عرض کیا۔ اور کہا۔ کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں فرمانے لگے۔ خیال نہیں۔ ان کے روزانہ دعوتیں ہوتی رہیں۔ بہت شاہ خرچ آدمی ہیں۔ کبھی کبھی ایرکنڈلشن گاڑی میں ملاقات ہوتی رہی۔ کبھی بڑے بڑے افسروں کے ہاں۔ ایک روز مجھے دفتر مہتمم بندوبست میں ملے۔ فرمانے لگے۔ کہ آپ ملتے نہیں۔ میں نے عرض کی ؎

ان سے ملایا نہ گیا
ہم سے جایا نہ گیا۔

کہنے لگے۔ کہ کسی روز میرے ہاں آئیو۔ میں نے عرض کی۔ کہ یہ میری پہلی تصنیف ہے پیش کرتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ نہیں مجھے وہ کتاب پیش کریں۔ جس کتاب کو سوائے آپ کے جلد ساز کے اور پریس والے کسی نے نہ ہاتھ لگایا ہو۔ (یعنی کنواری ہو)۔ میں ایک روز ویسی کتاب لے کر ان کے دولت کدہ پر پہنچا۔ میں نے کہا۔ عزیز صاحب یہ دیکھئے۔ میں آپ کو اپنی (اولاد) پیش کرتا ہوں (تصنیف مصنف کی اولاد ہوتی ہے) یہ معاملہ دیکھ کر میری حیرانی کی حد نہ رہی۔ کہ ہاتھ میں تسبیح پکڑی ہوئی تھی۔ فرمانے لگے۔ کہ میں چار منٹ تک واپس آتا ہوں۔ اُن کا نوکر مجھ سے پوچھنے لگا۔ کہ صاحب نمازیں تو پانچ

ہوتی ہیں۔ مگر ہمارا صاحب، سات نمازیں پڑھتا ہے۔ کہنے لگا، کہ اس وقت بھی نماز ادا کرنے کے لئے گئے ہیں۔ بھلا دیکھئے تو سہی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ تہجد اور اشراق بھی پڑھتے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر میرے پاس بیٹھ گئے۔ میں نے کہا۔ کہ عزیز صاحب رات کی محفلیں کہاں گئیں۔ فرمانے لگے۔

وہ مجھے ڈھونڈ رہے ہیں، کوئی ان سے کہہ دے

سالہا سال ہوئے اُسے افسانہ ہوئے

ان کو دیکھ کر سرسید کی زندگی یاد آ گئی۔ سرسید احمد کی جوانی رنگ رلیوں میں گذری۔ مگر انہوں نے کبھی شراب نہیں پی تھی۔ ایک دفعہ لکھنؤ میں سرسید کو پتہ چلا۔ کہ غالبؔ فلاں سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ فوراً گئے۔ اور چچا غالبؔ کو اپنی جائے رہائش پر لے آئے۔ اور اپنے بڑے کمرے میں بٹھا دیا۔ چچا نے اپنی بوتل نکال کر کارنس پر ٹکا دی۔ چچا غالبؔ کسی حاجت کے لئے باہر گئے۔ تو سرسید احمد نے وہ بوتل اٹھا کر کسی دوسرے کمرے میں چھپا کر رکھ دی۔ غالبؔ جوں ہی اندر گھسا۔ کہنے لگا۔ میری بوتل کہاں ہے سرسید احمد نے کہا۔ کہ فکر نہ کریں۔ بوتل بالکل محفوظ ہے۔ غالبؔ نے کہا۔ کہ نہیں پہلے میری بوتل لاؤ۔ اسی وقت بوتل لائی گئی۔ غالبؔ

نے بوتل پکڑی۔ اور سر سید احمدؒ سے کہنے لگا۔ گو مجھے علم ہے۔ کہ آپ پیتے نہیں۔ مگر اس بوتل میں سے آپ نے ضرور پی ہے۔ سر سید حیران ہوا۔ قارئین میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ کبھی کسی شرابی کی شراب مت چھپانا۔ ورنہ ایسا ہی الزام عائد ہو جائے گا۔ جنرل عزیز لڑائی میں برما پہنچے۔ اس وقت آپ انگریزی فوج کے کپتان تھے۔ اور برما ہی میں ان کی فوج کو محصور کر لیا۔ اور انہوں نے ہی انڈین نیشنل فوج کی بنیاد ڈالی۔ اور اسی فوج کے جنرل مقرر ہوئے۔ میں نے آپ سے اجازت چاہی۔ فرمانے لگے۔ ٹھہرو اس کتاب کا ہدیہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ جناب میں نے تو یہ کتاب پیش کی ہے۔ فرمانے لگے۔ کہ دیکھو بھئی آپ کی شام میرے ہاں تو گزر نہیں سکتی۔ مجھے پچیس روپے عنایت فرمائیے۔ اور کہنے لگے۔ کہ شام گزر جائے گی۔ کپور تھلہ میں آپ ہزاروں ایکڑ کے مالک تھے۔ لہذا میں ان کو ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

آپ کے گاؤں کا نام بیگو وال تھا۔ اور ان کے والد کا نام چوہدری فضل احمد خان تھا۔ جو کہ ریاست کے بہت بڑے رئیس تھے۔ فوت ہو چکے ہیں۔ ان پہ ہزاروں سلام۔

محمد فرخ حسن

محمد فرخ حسن کو جب پوچھا جائے۔ کہ آپ کی قومیت۔ فرمایا کرتے ہیں۔ کہ پاکستانی۔ مگر ویسے آپ اہل قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد ماجد شیخ طاہر حسن ادیب تھے۔ اور شاعر بھی۔ آپ عالم جوانی میں فوت ہوئے۔ یعنی عمر صرف ۲۸ برس کی تھی۔ ان پر ہزاروں سلام۔

محمد فرخ حسن کے دادا ڈاکٹر نظیر حسن نواب مالیر کوٹلہ کے گھریلو ڈاکٹر تھے۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قربانی اور ہمت سے پرورش پائی۔ ان کے دادا بھی ان کی بہت مدد کیا کرتے تھے مالیر کوٹلہ میں ایف۔ اے کیا۔ پھر آپ سنٹرل ایکسائز میں سپرنٹنڈنٹ ایکسائز ہو گئے۔ میرے بہت ہمدرد دوست ہیں میں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا۔ کہ فرخ صاحب اپنے لڑکپن میں کوئی اچھی سی شرارت کی ہے۔ بھولے پن سے جواب دیا۔ نہیں بھیا۔ میں بہت شریف لڑکا تھا۔

میں ان کو اپنے ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

کیپٹن ڈاکٹر بشیر احمدؐ

آپ ریاست کپور تھلہ کے رہنے والے ہیں۔ پائے کے ڈاکٹر ہیں۔ اور ادیب بھی ہیں۔ غربا کا علاج معالجہ مفت کرتے ہیں۔ تشخیص بہت اچھی ہے۔ میرے مسودہ میں غلطیاں نکالتے رہتے ہیں۔ میری ڈالتھ سکول میں تعلیم پائی۔ پھر ڈاکٹری پاس کی۔ اور انڈین آرمی میڈیکل کور میں بھرتی ہوئے۔ اب رسالہ خورد میں پریکٹس کرتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی اخلاق بہت بلند ہے۔

میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

لیفٹیننٹ محمدؐ مبارز خاں

جنجوعہ راجپوت ہیں۔ آپ کے والد ماجد آل پاکستان راجپوت لیگ کے صدر ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر ہے۔ کہ راجپوت گوت لکھنے سے احتراز کریں۔ اور اپنے آپ کو صرف راجپوت

لکھا کریں۔ گارڈن کالج راولپنڈی کے گریجویٹ ہیں۔ آپ میری ڈسٹرکٹ کمیٹی کے ممبر ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ آپکا کاروبار۔ فرمانے لگے۔ سو سال سے ہے پیشہ سپاہ گری۔ واقعی انکے ممبر زادگان سب ۹۹ فیصد ملٹری میں ملازم ہیں بعض بڑے بڑے عہدوں پہ فائز ہیں۔

سردار محمد سرفراز خاں صاحب و سردار احمد خاں صاحب وٹو

سردار محمد سرفراز خاں صاحب وٹو اور ان کے چھوٹے بھائی سردار احمد خاں صاحب وٹو میرے دل میں وٹو خاندان کی بہت عزت ہے اور دلی احترام کرتا ہوں۔ وٹوؤں کا سورج بنسی خاندان سے تعلق تھا۔ ٹھیٹھ راجپوت ہیں ہمیشہ مظلوم کی مدد کرتے ہیں۔ خواہ وہ امیر ہو۔ یا غریب۔ یہ خاندان بیکانیر میں تھا۔ جب محمد بن قاسم کے حملے ہوئے۔ تو ان کے اپنے احمد بن کا نام روپ چند تھا۔ اپنا خاندان لے کر فیروزپور کی طرف آئے اس وقت وادی ستلج پر جوئیے قوم حکمران تھے۔ یہاں روپ چند کے نام پر گاؤں بسایا گیا۔ جس کا نام روپانہ رکھا گیا۔ مغلیہ خاندان کے وقت تک زیر عتاب رہے۔ باغی رہے۔ جو امن پسند تھے۔ وہ گاؤں میں آباد ہو گئے۔ جو سرکش تھے۔ انہوں نے جنگلوں میں رہنا شروع کر دیا۔ جب بابا فرید صاحب

دلّی سے پاکپتن تشریف لائے۔ تو روپ چند کا بڑا لڑکا کھیوا رام ایک گاؤں بنام دھرنہ گڈا جو پاکپتن کے پاس تھا۔ وہاں آباد ہوا تھا۔ باباجیؒ کی تبلیغ سے کھیوا رام مسلمان ہوا۔ تو باباجی کھیو ۔م کو سردار کھیو کے نام سے ہی پکارتے تھے۔ لہٰذا اب تک اس خاندان کے سب لوگ سردار کہلواتے ہیں۔ سردار کھیوا صاحب پر ہزاروں سلام۔

پھر یہ قوم میاں والی۔ شیخوپورہ اور سرگودھا میں پھیل گئی۔ بہت زبردست پرزور قوم ہے۔ میرا سردار احمد خاں صاحب ڈوڈ اور ان کے تایا زاد بھائی سردار خاں صاحب ڈوڈ میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبران ہونگے۔

قاضی غلام نبی صاحب

قاضی غلام نبی صاحب میرے عزیز دوستوں میں سے ایک دوست ہیں۔ ایسے ہمدرد دنیا میں کم پائے جاتے ہیں۔ ان کے والد میاں محمد صدیق صاحب خطیب اور بہت عالم ہستی تھے۔ اکبر کے زمانے میں یہ تنگھرہ سے ان کے بزرگ کو قاضی مقرر کیا گیا۔ یعنی علاقہ مجسٹریٹ۔ ان کی ہمدردی کا صرف ایک واقعہ

عرض کئے دیتا ہوں۔ منٹگمری سے میرے جلد ساز جو کہ میری تصنیف کردہ کتابوں کو مجلد کر رہا تھا۔ کا ایک رقعہ آیا۔ کہ ڈاکٹر صاحب اگر شام تک مبلغ صد روپیہ نہ پہنچا۔ تو کتابوں کی جلدیں نہیں تیار ہو سکیں گی۔ یہ پاس کھڑے مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے۔ میں نے عرض کی۔ کچھ بات نہیں۔ قاضی صاحب نے اصرار شروع کر دیا۔ میں نے وہ رقعہ ان کو دکھا دیا۔ فرمانے لگے۔ یہ تو کوئی بات نہیں۔ دیکھئے یہ یکصد روپیہ ہے۔ اس شرط پر دوں گا۔ کہ آپ نے اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ میں نے کہا بہت خوب۔ انسان شرط ہر سکتا ہے۔ اور جیت بھی سکتا ہے مگر جو وعدہ خلافی کرے۔ وہ انسان نہیں۔ اگر قاضی صاحب مجھ سے وعدہ نہ لیتے۔ تو میں کبھی کسی سے ذکر نہ کرتا۔

ہم قاضی صاحب سے شرط ہار گئے۔ یہ میری پہلی شرط ہے جس میں ہارا ہوں۔ یہ نیک اور مخلص انسان ہیں۔ لہٰذا یہ بھی میرے ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔



راجہ سلطان مقصود خاں کیانی

یہ راجہ خاندان کیکاؤس شہنشاہ ایران کی نسل سے ہیں ان کے والد ماجد راجہ غلام محمد عربی خاں فوج میں کپتان تھے آپ نے انگریزی کا ایم۔ اے گورنمنٹ کالج لاہور میں کیا تھا۔ ایک دفعہ ان کے دولت کدہ پر ملنے کے لئے گیا۔ میں نے کہا راجہ صاحب آپ نے بچپن میں کوئی شرارت وغیرہ کی ہے۔ فرمانے لگے۔ میں نے تو آج تک اپنے نوکر کو بھی سخت سست نہیں کی۔ ہمیشہ صلح کن رہا ہوں۔ ادیب ہیں اور ادیب نواز بھی ہیں۔ آج کل ضلع منٹگمری میں مال افسر متعین ہیں۔ بہت دیانتدار نیک اور محنتی ہیں۔ عدالت میں وقت مقررہ سے پہلے آتے ہیں۔ اور وقت مقررہ کے بعد جاتے ہیں۔ ایسے افسروں کو دیکھ مجھے ترقی یافتہ ممالک کے افسر یاد آ جاتے ہیں۔ یہ میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

راغب حسین خاں بھٹی

آپ چاہ بھٹیاں تحصیل خانیوال ضلع ملتان کے رہنے والے ہیں۔ راجہ بھٹ کی اولاد میں سے ہیں۔ راجہ بھٹ مارواڑ میں علاقہ کا سردار تھا۔ راجہ بھٹ کی اولاد میں سے ٹھاکر بھوپ سنگھ سید علی یاور حسین شاہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اور ان کا نام صالح محمد خاں رکھا گیا۔ فرخ سیر کی حکومت میں ان کو جاگیر ملی۔ اب بھی اچھے خاصے زمیندار ہیں۔ آپ ادیب بھی ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ ہائی سکول گوجرہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔ صالح محمد پر ہزاروں سلام۔

قاضی شفقت محمود صاحب

قاضی شفقت محمود صاحب کے جد امجد مغلیہ خاندان کے دور میں ایک علاقہ کے قاضی تھے۔ شفقت صاحب میرے لڑکپن کے (دوستوں) میں سے ایک دوست ہیں۔ کالج میں بہت سلجھی ہوئی

شرارت کرتے۔ آپ سائنس روم میں سے شیشے کی نلکی اٹھا لاتے اور منہ میں ثابت ماش کے دانے چھپا کر زبان سے نلکی کے ذریعہ سوراخ کے اندر اور سامنے جس طالب علم کو چھیڑنا ہو۔ اس طرف نلکی کا منہ کر کے زور سے پھونک لگاتے جس سے اس کو چوٹ بھی خوب لگتی۔ اور پتہ بھی نہ چلتا کہ کیا ہوا۔ پھر بعد میں اسی طرح کرتے وہ طالب علم ہاتھوں کو گالوں پر ملتا۔ اور سہلاتا پھر ایک اور ہاتھ پر جڑ دیتے۔ مگر سوائے میرے کسی کو علم نہ تھا کہ یہ گولا باری کہاں سے ہوتی ہے۔ اور کون کرتا ہے۔ ہم نے یہ خبر مشہور کر رکھی تھی۔ کہ ابابیل ادھر سے گزرتی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکتی ہے۔ ایک روز شفقت صاحب نے پھونک سے نلکی کے ذریعہ دانہ پھینکا۔ اور وہ ماش کا دانہ طالب علم کے کان میں دھنس گیا۔ اور بیچارے کو بہت تکلیف ہوئی۔ بہت مشکل سے دانہ نکلوایا گیا۔ اس کے بعد یہ شرارت انہوں نے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ اور مجھے وہ ہمیشہ شفقت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ لہذا میں ان کو اور ان کے بھائی رفعت محمود صاحب کو بھی اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

جب شفقت صاحب ایم۔ اے میں پڑھتے تھے۔ تو میں نے

ان پر دو پیسے کا عدالت خفیفہ میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اس دعویٰ کی کہانی ان کی زبانی سنیئے :۔

سر آغا خاں

اوائل ۱۹۳۹ء میں سر آغا خاں مرحوم ہٹلر کو ملنے کے لئے گئے۔ کہ لڑائی نہیں ہونی چاہئے۔ جب سیاسی باتیں ختم ہو گئیں۔ تو ہٹلر نے سر آغا خاں سے پوچھا۔ کیا آپ مجھے ایک گھوڑا دے سکتے ہیں؟ اور اس کے بدلے جرمن کی بنی ہوئی چند موٹریں لے لیں۔ سر آغا خاں نے جواب دیا۔ کیا مجھے پکاڈلی لندن میں دکان کھولنی ہے۔ واقعی گھوڑوں کی قیمت کافی زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ قیمت گھوڑے کی ہے۔ مئی ۱۹۵۶ء میں ایک گھوڑا ایک کروڑ چھتر لاکھ روپیہ میں بکا تھا۔ لندن میں سوائے ہوٹل میں رسولئے ہوٹل دنیا کے بڑے ہوٹلوں میں سے ایک ہے۔ شباب سر آغا خاں مرحوم سے ملنے کے لئے گیا۔ بڑے تپاک سے ملے۔ اس وقت ان کے دو کروڑ مربلہ تھے۔ میں نے گھوڑوں کے متعلق خوب باتیں کیں۔ پوچھنے لگے۔

سب سے زیادہ گھوڑوں کا شوق کس کو تھا۔ اور ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ دنیا میں چار آدمیوں کو شوق تھا اور ہے کیکاؤس شہنشاہ ایران۔ سر آغا خاں مرحوم۔ میرے پردادا شوق محمدؐ اور چوتھا آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ مجھ سے سوال کیا۔ کہ دنیا میں سب سے اچھی نسل کے گھوڑے کہاں پائے جاتے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔ عرب میں۔ پوچھنے لگے۔ کیوں؟ جواباً عرض کیا۔ عرب کا دستور ہے۔ کہ جو گھوڑا یا گھوڑی عرب اور عراق کی حد سے ایک قدم باہر نکل جائے۔ اس کو پھر واپس نہیں گھسنے دیتے ... پوچھنے لگے۔ دوسرے اور کوئی نسل کہاں۔ میں نے کہا تھارو برڈ۔ میں نے اتنا نیک اور بھولا انسان دنیا میں کم دیکھا ہے پھر دریافت کیا تھارو برڈ۔ کیا ہوتا ہے میں نے کہا عرب شہزادے نے چارلس دوم کو ایک سانڈ گھوڑا تحفے کے طور پر دیا تھا۔ اس سے جو نسل ہوئی وہ تھارو برڈ کہلاتی ہے۔ سوال کیا۔ دنیا میں سب سے سستا گھوڑا کونسا ہے۔ اور سب سے زیادہ عزت کس گھوڑے کی ہے۔ میں نے عرض کی۔ جناب اس گھوڑے کا نام ذوالجناح تھا۔ دس کروڑ آدمی اس کا ماتم کرتے ہیں۔ قیمت زیادہ نہیں تھی۔ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا۔

کہ اگر آپ مجھے یاد کرائیں۔ تو میں آپ کو ایک اچھی سی گھوڑی دوں گا۔ پاکستان بننے کے بعد جب آپ کراچی تشریف لائے، میرے بھائی کے والد نے مجھے کرایہ نہ دیا۔ اس لئے میں انہیں مل نہ سکا۔ ورنہ گھوڑی مل جاتی۔ مگر میرے بھائی کے والد نے ہزاروں روپے کی مالیت کے مویشی چند روپوں میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے فروخت کر دیئے۔ سر آغا خاں نے سوال کیا۔ کہ سب سے اچھی خوبی گھوڑے میں کیا ہونی چاہیئے۔ میں نے عرض کی۔ سب سے اچھی خوبی والا گھوڑا یا گھوڑی وہ ہوتی ہے۔ کہ جس راستے سے گھوڑا خود گزر سکتا ہو۔ اپنے سوار کا سر دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ ٹکرانے کا اندیشہ ہو۔ تو جو اچھا گھوڑا ہوگا۔ وہ خود بخود دوڑتا ہوا اتنا لچک جائے۔ کہ سوار کو بھی اپنے ساتھ اس دروازے سے پار کر دے۔ جب شہاب الدین غوری میدان جنگ میں زخمی ہو کر گھوڑے کے اوپر بے ہوش ہو گیا۔ تو اس کا گھوڑا اس کے خیمے کی طرف لے اڑا۔ لاجونتی رانی گھوڑے کے رکنے کی وجہ سے ماری گئی۔ کہنے لگے بہت پتہ کی باتیں ہیں۔ میں نے عرض کی۔ حضور چند گھوڑے۔ اور گھوڑیاں ایسی تھیں۔ اور ہیں۔ جن کا جواب نہیں۔

(یعنی امرالقیس کی گھوڑی یعنی امرالقیس عرب کی ریاستوں میں سے ایک ریاست کا مالک ہوا ہے۔ وہ اپنے محلات سے قلعے کو جانا چاہتا تھا۔ مگر بادِ سموم کی بو آنی شروع ہو گئی۔ بادِ سموم وہ ہوا ہے۔ جو صحراؤں میں کسی وقت چلتی ہے۔ اور اس کے چلنے سے کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ امرالقیس نے اپنی گھوڑی سے پوچھا (گھوڑا یا گھوڑی کانوں سے باتیں کرتے ہیں۔ کنٹا دم اور منہ سے علی ہالقیاس)، کہ بیٹیا بادِ سموم چلنے والی ہے۔ قلعے تک پہنچا دو گی گھوڑی نے ہاں میں جواب دیا۔ امرالقیس سوار ہوا۔ گھوڑی کے پیچھے بادِ سموم اور آگے گھوڑی۔ مگر گھوڑی نے اُس ہوا کو اپنے تک پہنچنے نہ دیا۔ جونہی قلعے کے اندر گھسی بادِ سموم چلنی شروع ہو گئی۔ دوسرے ذوالجناح۔ حضرت امام حسین علیہ السلام علیہ الصلوٰۃ کا گھوڑا۔ تادیہ حضرت امام حسن علیہ السلام والصلوٰۃ کا۔ دُلدُل جو رسول کریم کا خچر تھا۔ امام حسن علیہ السلام نے اس کو ایک کوفی کے پاس بیچ ڈالا۔ تھا۔ جب وہ کوفی کربلا کے رن میں خیمہ داخل ہوا۔ تو دلدل خودبخود امام حسین علیہ السلام والصلوٰۃ کے خیمے میں چلا آیا۔

چیتک رانا پرتاپ سنگھ کا گھوڑا جس نے اس کو شہنشاہ ہند جلال الدین اکبر کے پنجے سے نجات دلائی۔ ایک نقرئی گھوڑی یہ

میرے پردادا شوق محمد صاحب جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وزیر تھے۔ اس کا نام چینی تھا۔ ہر سال مہاراجہ بیساکھی کے روز گھوڑوں کے کرتب دیکھا کرتے تھے۔ چینی گھوڑی اپنے سوار کو لیکر دوڑی دوڑتے ہوئے منہ زور ہوگئی۔ آگے ایک ذٹ اونچا مکان تھا۔ گھوڑی نے اس پر چھلانگ لگادی۔ اور کوٹھے پر کھڑی ہوگئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت خوش ہوئے۔ اور حکم دیا۔ اس کو وہیں سے نیچے چھلانگ لگوائی جائے۔ میرے پردادا شوق محمد صاحب جو اس وقت مہاراجہ کے پاس کھڑے تھے۔ باواز بلند کہا۔ کہ میری چینی چھلانگ لگاؤ۔ چینی نے چھلانگ لگادی۔ آغا صاحب نے میری باتیں مزے سے سنی۔ فرمانے لگے بھئی اور سناؤ۔ مجھے ایک قصہ جرمن بادشاہ کا یاد آگیا۔ جو حضرت مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے قادیان کے سالانہ جلسے میں سنایا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک جرمن بادشاہ کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا۔ اس نے عرب سے ایک گھوڑا منگوایا تھا۔ جس کا قد، جسامت، رنگ اور چال ڈھال سلطان محمد سے ملتی جلتی تھی۔ سلطان محمد آغا خاں کے نفیس گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے۔ ایک روز گھوڑا بیمار ہوگیا۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں کو حکم دیا۔ اس گھوڑے کا مکمل علاج کیا جائے

ہر گھنٹے کے بعد مجھے درباریوں میں سے کوئی درباری گھوڑے کی صحت کے متعلق اطلاع دے۔ اور جس درباری نے یہ اطلاع دی۔ کہ گھوڑا مر گیا ہے۔ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ تمام حیوانی ادویات کا استعمال کیا گیا۔ مگر گھوڑا مر گیا۔ اب بادشاہ کو کون کہے۔ کہ گھوڑا مر گیا۔ سب درباری ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ سب کا رنگ زرد ہو گیا۔ اور ہر ایک درباری کے سر پر موت ناچنے لگی۔ ہر کوئی دل میں یہی کہتا تھا۔ کہ آئی موت۔ سب نے صلاح مشورے سے یہ طے پایا۔ کہ ایک درباری اسٹورائٹ ہے۔ جو کہ بادشاہ کا بہت چہیتا درباری تھا جیسے جلال الدین اکبر کا بیربل۔ محمود غزنوی کا سلطان۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا فقیر عزیز الدین۔ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء اور کرامت حسین جعفری و فیض احمد فیض عبداللہ خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ خواجہ عزیز الرحمٰن کا خادم مصطفےٰ، اس کو بلایا جائے۔ اور بادشاہ کے پاس بھیجا جائے۔ اس چہیتے درباری کو بلایا گیا۔ اور تمام ماجرا سنایا گیا۔ آخر وہ رضامند ہو گیا۔ اور بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے اسے دیکھ کر کہا۔ گھوڑے کی کیا خبر لائے ہو۔ درباری نے عرض کیا۔ کہ شہنشاہ عالم گھوڑا اس چین سے لیٹا ہوا ہے بالکل ہلتا جلتا نہیں۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ ارے خبیث تو پھر کہتا کیوں نہیں

کہ گھوڑا مر گیا۔ جس پر درباری نے کہا۔ جہاں پناہ میں تو نہیں کہتا۔ کہ گھوڑا مر گیا ہے۔ بادشاہ نے غصے سے کہا۔ کہ پھر آگے بکو! درباری نے کہا۔ عالی جاہ گھوڑا آنکھیں نہیں جھپکتا۔ دونوں آنکھیں بالکل کھلی ہیں۔ دُم بالکل نہیں ہلاتا۔ سانس بھی نہیں لیتا۔ بادشاہ نے غصے سے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ گھوڑا مر گیا۔ درباری نے جواب دیا۔ میں نے کب کہا ہے۔ کہ گھوڑا مر گیا۔ آپ ہی کہہ رہے ہیں۔ کہ گھوڑا مر گیا ہوگا۔ بادشاہ نے نہایت غصے میں چلا کر کہا۔ کہ خبیث گھوڑا مر گیا ہے۔ میرے مالک آپ بھی کبھی جھوٹ بول سکتے ہیں۔ درباری نے جواب دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔

حکایت نمبر ۱۶ زیب النساء نے ایک مرتبہ ایک شاہی محل کی نوکرانی کی جان بچائی تھی۔ اورنگ زیبؒ نے ایک نوکرانی سے کہا۔ کہ صبح کی نماز سے پہلے جگا دینا۔ کیونکہ مجھے تہجد کی نماز ادا کرنی ہے۔ نوکرانی کو اونگھ آگئی۔ اس کو کہتے ہیں۔ کہ نیند تلوار کے تلے بھی آجاتی ہے۔ Sleep oner powers even in the heat of batele) رات کے ایک بجے ایک مرغ نے اذان دی۔ نوکرانی گھبرائی ہوئی اُٹھی۔ جب نوکرانی نے باہر دیکھا۔ تو اس وقت صبح کاذب کا وقت تھا۔ جلدی سے آئی۔ اور بادشاہ محی الدین اورنگ زیب

کو جگادیا۔ اورنگ کو علم نجوم میں کافی دسترس تھی۔ جب اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ تو رات کا ایک بجا تھا۔ پہرے دار نے بھی ایک کا گھنٹہ بجایا۔ اورنگ زیب نے فرمان جاری کیا۔ گردن اڑا دو۔ مگر کسی کا نام نہیں لیا۔ لونڈی غش کھا کر گر پڑی۔ دوسری لونڈیوں نے اس لونڈی کو اٹھایا۔ اور ایک علحدہ کمرے میں لے گئی۔ اس لونڈی کو جب ہوش آیا۔ تو زیب النساء جو کہ عالمگیر کی چہیتی بیٹی تھی۔ اس کے پاس گئی۔ زیب النساء اپنے زمانے کی بہت اچھی شاعرہ بھی تھی، لونڈی نے زیب النساء سے سارا واقعہ عرض کیا۔ اور کہا۔ کہ صبح میرا سر قلم کر دیا جائے گا۔ شہزادی نے فرمایا۔ آرام سے جا کر سو جاؤ۔ تمہارا سر قلم نہیں کیا جائے گا۔ شہزادی اورنگ زیب کے کمرے میں گئی۔ شہزادی نے اورنگ زیب سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ ابا جان آپ نے رات بے گناہ کا سر قلم کرنے کا حکم کیوں صادر فرمایا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ اس نے فرض منصبی میں کوتاہی کی ہے۔ لہذا سر بریدن لازم است یعنی سر تن سے جدا ہوگا۔ اس پر زیب النساء نے ایک برجستہ کہا۔

سر بریدن لازم است۔ آں مرغ بے ہنگام را

ایں پری پیکر چہ داند وقت صبح و شام را

زیب النساء نے کہا۔ مقصود مرغ کا جس نے بے وقت بانگ دے دی اور سر قلم اس نازک اندام کا جس کو وقت دیکھنا نہیں آتا۔ اورنگ زیب نے

دبی زبان سے کہا۔ کہ مرغ نے بانگ دی ہے۔ اس کا سر تن سے جُدا کر دیا جائے۔ سارے دارالحکومت کے مرغوں کا سر قلم کر دیا گیا۔ یہ کہانی مجھے سیّد قبلہ ناصر علی شاہ صاحب ترمذی ڈپٹی کلیمز کمشنر نے اوکاڑہ ریلوے اسٹیشن پر سنائی۔ سلامت رہیں اور آباد رہیں۔ بہت نیک اور دیانتدار افسر ہیں۔ سید ناصر علی شاہ صاحب والا قصہ میں نے "قارئین کی دلچسپی کے لئے لکھ دیا ہے۔ اس قصے کا میں سر آغا خاں مرحوم سے ذکر نہیں کیا تھا۔

سید ناصر علی شاہ صاحب کے فرزند ارجمند شہزاد سلامت رہیں کہ یہ دونوں جری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ حاشیہ ختم

سر آغا خاں نے فرمایا۔ کہ اور کسی گھوڑے کا ذکر کرو۔ میں نے عرض کی۔ وہ سب سے اچھا گھوڑا مجھے لگتا ہے۔ جو دوسرے کو ٹھوکر نہ دے۔ فرمانے لگے کیا مطلب؟ میں نے عرض کی کہ اگر گھوڑا تیرہ ہاتھ کا ہو اور جب مالک اس پر ہاتھ پھیرے تو گھوڑا ساڑھے تیرہ ہاتھ کا معلوم ہو۔ اور جب زین کسی جائے۔ تو گھوڑا چودہ ہاتھ کا معلوم ہو۔ اور جب سوار اس پر سواری کرے۔ تو پندرہ ہاتھ کا معلوم ہونے لگے۔ اس قسم کے گھوڑے عرب میں عام پائے جاتے ہیں۔ (چار انچ کا ایک ہاتھ ہوتا ہے۔)

سر آغا خاں نے کہا۔ "خادم مصطفےٰ" اور نام پکارنے کے بعد کہنے لگے۔ کیا پیارا نام ہے۔ کبھی کوئی خراب گھوڑا بھی دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی والاجناب دیکھا کیا کہ میرے ایک کانگڑہ کے رئیس نے مجھے ایک گھوڑی مفت دی۔ میں جب اس پر سوار ہو کر ایک نالا پار کرنے لگا۔ تو عین نالے کے درمیان گھوڑی بیٹھ گئی۔ اور ایک بار نہیں بلکہ اس نے ایسا کئی بار کیا۔ اور جہاں بھی میں جانا چاہتا تھا۔ کپڑے بھیگ جانے کی وجہ سے واپس جانا پڑا۔" آغا خان ہنس رہے تھے۔ کہنے لگے۔ پھر اس کا کیا علاج کیا میں نے کہا حضور میں اس کے پیٹ کے ساتھ ایک چونے کی ڈلی باندھ دیا کرتا تھا۔ جونہی وہ بیٹھتی چونا بھڑکتا اور گھوڑی کھڑی ہو جاتی۔ تین چار مرتبہ ایسا کرنے سے گھوڑی ٹھیک ہو گئی۔

مجھے سر آغا خاں نے فرمایا۔ کہ کوئی اور گھوڑی کا ماجرا سناؤ۔ میں نے کہا۔ حضور مہاراجہ رنجیت سنگھ والئے پنجاب کو گھوڑی گھوڑوں کو بہت شوق تھا۔ اس کی ایک چہیتی گھوڑی کا نام روز آور تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ جو شخص اس پر سواری کرے گا۔ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ گھوڑی بڑی تیز رفتار تھی۔ ایک روز نونہال سنگھ نے جو کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا لڑکا تھا۔ رنجیت سنگھ کے کچھ ہیرے اور زیورات چرا لئے۔ شاہی اصطبل میں آکر اس گھوڑی کو کھولا۔ اور لاہور سے امرتسر آگیا۔ جب مہاراجہ کو معلوم ہوا۔ کہ میرے ہیرے غائب ہیں۔ تو اس نے پوچھا۔ یہ چوری کس نے کی۔ دربانوں نے عرض کیا۔ کہ اس کمرے میں نونہال سنگھ کے علاوہ اور کوئی نہیں گھسا۔ میرے پردادا شوق محمدؐ جو کہ رنجیت سنگھ کے وزیروں میں سے ایک وزیر تھے۔ اس وقت موجود تھے رنجیت سنگھ بہت سٹپٹایا۔ دربانوں کو حکم دیا۔ کہ اصطبل سے میری گھوڑی لاؤ۔ دربانوں نے اصطبل سے واپسی پر مہاراج سے عرض کی۔ کہ گھوڑی تو نونہال سنگھ لے گیا ہے۔ یہ بات سنتے ہی رنجیت سنگھ آگ بگولا ہوگیا۔ میرے پردادا شوق محمدؐ صاحب فوراً فقیر عزیز الدین کے ہاں پہنچے۔ اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ فقیر صاحب بہت لائق آدمی تھے۔

میرے پردادا سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ دونو اکٹھے رنجیت سنگھ کے پاس گئے رنجیت سنگھ نے فقیر صاحب کو دیکھتے ہی کہا۔ کہ دیکھئے فقیر صاحب نونہال حرامی نے کیا کیا ہے۔ فقیر صاحب نے عرض کی۔ کہ حضور کیا قصور ہے۔ مہاراجہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ فقیر صاحب نے کہا۔ واقعی اس نے بہت گستاخی کی ہے۔ قانون کے مطابق اس کو قتل کیا جائیگا اور ضرور قتل ہونا چاہئے۔ وہ تو بال اس طرح اٹھا کر لے گیا۔ جیسے اس کے باپ کا مال ہوتا ہے۔ رنجیت سنگھ چپ ہو گیا۔ اور اس معاملہ ٹھپ ہو گیا۔

حاشیہ :۔ ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ہچکی لگ گئی۔ یہ میرا آزمودہ نسخہ ہے۔ آپ بھی آزمائیں۔ تمام دوائیاں آزمائی گئیں۔ مگر ہچکی بند نہ ہوئی۔ آخر فقیر عزیز الدین صاحب کو بلایا گیا۔ حکماء نے عرض کی۔ کہ آپ کی ہچکی بند نہیں ہوتی۔ فقیر صاحب نے طبیبوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ابھی بند ہو جاتی ہے۔ آپ یہاں بیٹھے رہیں۔ فقیر صاحب مہاراج صاحب کے پاس گئے۔ مہاراج نے فقیر صاحب سے کہا۔ کہ یہ ہچکی بند نہیں ہوتی۔ فقیر صاحب نے جواب دیا۔ سرکار ہچکی تو گئی بھاڑ میں یہ بند ہو یا نہ ہو۔

پٹھانوں نے پشاور پر حملہ کر دیا ہے۔ اور بڑی تیز قدمی سے ان کی فوج بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ رنجیت سنگھ نے کہا۔ تو پھر جلدی سے فوج بلواؤ۔ فقیر صاحب نے فوج کو لیس ہونے کا بگل بجوایا۔ اور مہاراج نے لڑائی والی وردی پہننی شروع کر دی۔ گھوڑی لائی گئی۔ مگر ہچکی غائب تھی۔ رنجیت سنگھ نے پوچھا۔ فقیر صاحب کس طرف کا رخ کریں۔ فرمانے لگے۔ محلات کی طرف۔ حیران ہو کر پوچھنے لگے کیوں؟ فقیر صاحب نے جواب دیا۔ کہ حضور ہچکی کا حملہ پسپا کر دیا گیا ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت خوش ہوئے۔

میرا ایک دوست حامد آیا۔ اس کو ہچکی لگ گئی۔ بہت سیدھا سادھا تھا۔ پانی کے دو گھونٹ پلائے۔ کوئی فائدہ نہ ہوئی۔ اس کے لئے دوائی لینے کے لئے باہر چلا گیا۔ میرے ان سے تکلف نہ مراسم تھے۔ تین چار منٹ کے بعد ہی واپس آیا۔ کہ حامد صاحب یہاں پر بٹوا پڑا ہوا تھا۔ کہاں گیا۔ کہنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب مجھے تو علم نہیں۔ میں نے کہا۔ یہ بٹوا آپ نے چرایا ہے۔ آپ مجھے دیں۔ میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اور اپنے نوکروں کو حکم دوں گا۔ کہ وہ آپ کی مرمت کریں۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اور اس کی ہچکی غائب ہو گئی۔ میں نے کہا۔ حامد صاحب ٹھہریئے۔ میں بٹوا اپنی کار میں بھول آیا ہوں۔ فرمانے لگے۔ ڈاکٹر تم عجیب آدمی ہو۔ اگر کار میں نہ ملتا۔ تو میرا کیا حشر ہوتا۔ میں نے ہنس کر

جواب دیا۔ کہئے کیسا علاج ہے۔

دوسرا نسخہ ملاحظہ ہو جس مریض کو ہچکی کا مرض لاحق ہو جائے۔ اس کو چاہئے۔ کہ وہ اپنے نتھنے اور منہ بند کرے۔ اور سانس باہر نہ نکلنے دے جتنی مدت تک اپنا سانس بند رکھ سکتا ہے۔ رکھے۔ ہچکی بند ہو جائیگی

تیسرا نسخہ یہ ہے۔ کیکر کے کانٹے درنی دو تولہ۔ صرف کانٹے ہوں سے ہیں۔ ان کو جلائیں۔ حتیٰ کہ وہ راکھ ہو جائیں۔ اس راکھ کو نصف گلاس پانی میں ملائیں۔ جب ہچکی آئے۔ تو مریض کو ایک گھونٹ پلائیں۔۔ چار پانچ مرتبہ پلانے سے مریض کو شفا ہو جائے گی۔ سائنسدانوں سے مؤدبانہ گذارش ہے۔ کہ وہ ہچکی کا ٹیکہ ایجاد کریں۔ اچھا کسی سائنسدان کو ہچکی لگے گی۔ تو ٹیکہ ایجاد ہو ہی جائے گا۔ دکھ ایجاد کا باپ ہے۔ فقیر صاحب کا ہمارے خاندان سے تب سے بہت تعلق ہے۔ کہ فقیر ذکار الدین صاحب جو کہ ضلع منٹگمری کائن انسپکٹر ہیں۔ میرے عزیز دوستوں میں سے ہیں۔ جو میرا رشتہ شوق محمد صاحب سے ہے۔ وہی رشتہ فقیر ذکار الدین کا فقیر عزیز الدین سے ہے۔ عقلمند دیانتدار اور محنتی ہیں۔ یہ فقیر خاندان تمام فقیروں کا خاندان نہیں ہے۔ یہ خاندان سید خاندان ہے۔ ان کا شجرہ نسب حضرت فاطمہ زہرہ اور حضرت علی مرتضےٰ شیر خدا سے جا ملتا ہے۔ بہت معتبر خاندان ہے۔ سید عمتقد سخی ہوتے ہیں۔

فقیر ذکاء اللہ ہمیشہ میری مدد فرماتے رہتے ہیں. خوش رہیں. اور ان کی بیوی محترمہ آپا گل کا میں دلی احترام کرتا ہوں مجھ سے بہت ہمدردی کرتی ہیں۔ اور میرے رشتہ کے لئے ایک گھرانے کی لڑکی کے لئے سوائل ہو کر گئیں۔ میں ہمیشہ ان کا دعا گو ہوں. مولا کریم ان کو وارث عطا فرمائے۔ فقیر ذکاء اللہ سید لکھنے اور کہلوانے کی بجائے فقیر کہلانا اور لکھنا بہتر سمجھتے ہیں. کبھی کبھار ان کے دل پر حملہ ہو جاتا ہے۔ قدرت شفا فرمائے. لہذا یہ دونوں میاں بیوی میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ حاشیہ ختم شد

جناب سر آغا خاں مجھ سے فرمانے لگے۔ آپ کو واقعی گھوڑوں سے واقفیت ہے. جناب آغا صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔ دنیا میں سب سے بڑا اصطبل کہاں ہے۔ میں نے جواباً عرض کیا۔ آئرلینڈ میں. پھر فرمانے لگے۔ دوسرا کہاں. میں نے عرض کی۔ کہ دوسرے نمبر پر اصطبل رسالہ اسٹیٹ جو آپ کے پاکستان میں واقع ہے۔ فرمانے لگے ہاں ٹھیک ہے۔

فرمانے لگے کہ سب سے زیادہ آسانی سے اور سخت مشکل سے کون سا جانور سدھایا جا سکتا ہے۔ میں نے عرض کی جناب گھوڑا

فرمانے لگے کیسے ؟ میں نے کہا ۔ کہ آسٹریلیا کے جنگلی گھوڑے کو سدھانے میں چھ ماہ کے قریب صرف ہوتے ہیں ۔ پہلے اس کو دو جوان اُس کے منہ پر موٹے رسے باندھ کر باہر پیدل لے جاتے ہیں ۔ پھر جب وہ باہر شرارت سے ٹل جاتا ہے ۔ تو پھر اس کے اوپر ہاتھ رکھا جاتا ہے ۔ جب وہ ہاتھ رکھنے سے نہیں ڈرتا ۔ تو ایک کمبل اس کی کمر پر ڈالا جاتا ہے ۔ پھر آہستہ آہستہ زین کسی جاتی ہے ۔ پھر سواری کی جاتی ہے ۔ جب یہ گھوڑے بالکل ٹھیک ہو جاتے ہیں ۔ تو یہ گھوڑے میدان جنگ میں اپنے سوار کے محافظ ہوتے ہیں ۔ اور سوار کی گنتی سے بھی زیادہ حفاظت کرتے ہیں ۔ زیادہ وزنی چیزیں کھینچ اور اٹھا سکتے ہیں ۔ میں نے ایک مزاحیہ شعر جو کہ ایم ۔ او کالج کے ایک مشاعرہ میں پڑھا گیا تھا سنایا ۔

یہ افغانی گھوڑے خمیدہ کمر ہیں
سواری کے قابل ہیں بغدادی ٹٹو

شعر سن کر مسکرائے ۔

سر ظفر اللہ خاں کا ذکر ہوا ۔ تو میں نے ان سے کہا ۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا ۔ کہ میں آپ سے ملوں ۔ فرمانے لگے ۔ آپ ایک مرتبہ میرے بھی آئے تھے ۔ افسوس کہ میں بیمار تھا ۔ مل نہ سکا ۔ انہوں نے

آواز دی۔ کہ مجھے ایک ہزار پونڈ کا چیک دے دو۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ میں صدقہ یا خیرات لینے نہیں آیا۔ مجھے علم ہے۔ کہ آپ نے چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کے کہنے پر ایک طالب علم کو اتنا صدقہ دیا تھا۔ کہ وہ امیر بن گیا۔ قصہ یوں ہوا۔ کہ ایک طالب علم لندن میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا میرا گزارہ مشکل ہے۔ لندن میں پیدل ہی چلنا پھرتا ہوں۔ غریب ہوں ابھی تین سال کی پڑھائی باقی ہے۔ چوہدری صاحب نے اُسی وقت آغا خاں صاحب کو ٹیلیفون کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں کچھ بیمار ہوں۔ چوہدری صاحب نے کہا۔ کہ کچھ صدقہ دیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ آپ جس کو کہیں میں صدقہ دوں گا۔ آپ نے اس طالب علم کو اتنا صدقہ دیا۔ کہ وہ امیر بن گیا۔ میں نے ان سے عرض کی۔ میں تو آپ کے ہیرے دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ انہوں نے مجھے بہت نفیس قسم کے ہیرے دکھائے۔ جن کی مالیت لاکھوں کی تھی۔ میں نے تمام ہیروں کی تواریخ بیان کی۔ بعد میں وہی ہیرے چوری ہو گئے۔ چونکہ ہیرے بیمہ شدہ تھے۔ لہٰذا بیمہ کمپنی نے اُسی وقت بیمہ کی رقم ادا کر دی۔ چند یوم کے بعد ہی چور ہیرے واپس کر گئے۔ آغا خاں صاحب نے روپیہ کمپنی کو واپس کر دیا۔

یک چھوٹا سا ہیرا انہوں نے مجھے بھی دیا۔ جواب تک میرے پاس
بنک میں موجود ہے۔ آغا خاں نے سوال کیا۔ کہ ہیروں کی کتنی
اقسام ہیں؟ میں نے جواباً عرض کیا۔ کہ ہیروں کی پانچ قسمیں ہیں۔
اول نیلا دوم سفید سوم زرد چہارم لال پنجم بغیر شعاع
جس کو مرا ہوا ہیرا کہتے ہیں۔ یعنی ڈیڈ ڈائمنڈ Dead Diamond
جس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ اس کو دوسرے ہیروں کو صاف کرنے
کے کام لایا جاتا ہے۔ سب سے بہترین ہیرا نیلا ہوتا ہے۔ اگر
اس کی تراش پنجم طرز جیسی ہو۔ تو زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اگر ہیرے کا وزن
بات ہو۔ اور اس کے دو ٹکڑے کر دئے جائیں۔ تو اس کی قیمت
دسواں حصہ کم ہو جاتی ہے۔ جناب آغا خاں صاحب بہت
خنیر الانسان تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ میں صرف شہرت میں امیر
آدمی ہوں۔ مگر میرے پاس دولت اتنی تو نہیں ہے۔ میں نے عرض
کی۔ کہ حضور امارت دل کی ہوتی ہے۔ غنی وہ ہے۔ جو دل کا غنی
ہو۔ فرمانے لگے۔ بات تو ٹھیک ہے۔ میرے بغیر سوال کئے ہوئے
فرمایا۔ کہ میری جائداد پچاس لاکھ پونڈ کے لگ بھگ ہے۔ اس
میں سے مرنے کا ٹیکس بھی ادا کرنا ہے۔ مرنے کا ٹیکس ۲ لاکھ پونڈ
ہوگا۔ یعنی تقریباً تین کروڑ روپیہ

ایک دفعہ میں ہیسٹنگ کے ایک ہسپتال میں بیمار پڑا ہوا تھا۔ میری بغل میں جو بیمار لیٹا ہوا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ کہ سنو ڈارلی میں نہیں مر سکتا۔ میں نے کہا صحیح موت تو لازماً آنی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میں اس لئے نہیں مر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس موت کا ٹیکس ادا کرنے کے لئے کوئی پیسہ نہیں ہے۔ اب سر آغا خاں فوت ہو چکے ہیں۔ ان پہ ہزاروں سلام۔

ہسٹنگ میں مجھے عام لوگ چارلی کہا کرتے تھے۔ بعض نوجوان عورتیں نوٹی بوائے (Naughty boy) کہا کرتی تھیں۔ اور کچھ لوگ کالا گھونگھریالے بالوں والا کہا کرتے تھے۔ لیکن فیفر صاحب کی بیوی، جن کی میں دلی عزت کرتا ہوں۔ اور میرے لئے قابل احترام ہیں۔ مجھے اب تک چارلی کے نام سے لکھتی اور پکارتی ہیں۔ یہ دیکھئے ایک خط جو انہوں نے ۲۹ اپریل کو ٹائپ کیا۔ اور ۴ مئی کو پوسٹ کیا شکر ہے پوسٹ تو ہو گیا۔ لکھتی ہیں۔

(Young Readers League)

4th. may 1956

Dear "charli"

Thanks for the letter and

the Samples but they want do,
because Faiz Sahib wants the cloth
for chkans ......

As a matter of fact i like
the coloured Piece it might do for
the girls sleeping suits. Let me know
the cost and the width and I shall
let you know how much I want
How will you send it? Shall I send
a cheque or M.O?

yours sincerely
alys Faiz.

ترجمہ: پیارے بجارنی، نمونے جو تم نے بھیجے ہیں۔ اس کا شکریہ
مگر ان نمونوں سے کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ فیض صاحب اچکنوں
کے لیے کپڑا چاہتے ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے۔ میں رنگ دار کپڑے
پسند کرتی ہوں۔ کیونکہ اس سے بچیوں کے لیے سونے والے کپڑے
بن جائینگے۔ میں اس کی قیمت اور عرض معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ تب

میں تم کو لکھوں گی۔ کہ کتنا چاہیئے۔ تم کس طرح بھیجو گے۔ کیا میں تم کو چیک بھیجوں یا منی آرڈر؟

آر، ایس، وی، پی

آپ کی ہمدرد

"ایلس فیض"

خط کے دوسری طرف مہاتما موہن کرم چند گاندھی جی کی طرز کا لکھا ہوا ہے۔ انگریزی جلد میں چھاپ دیا جائے گا۔ لہٰذا فیض احمد صاحب اور ان کی بیوی میری ٹرسٹ کی کمیٹی کے ممبر ہیں۔

امرتسر میں پٹھانوں کا پہلا خاندان افغانستان سے صوبہ طوخ سے آیا۔ ان کے بڑے عبداللہ خاں تھے۔ ان کے بیٹے میاں قمردین اور ان کے فرزند میاں فیروزالدین تھے۔ ان کے بیٹے فرزند محمد خاں صاحب جو کہ میرے ہم جماعت رہے ہیں۔ اس وقت لاہور میں موجود ہیں۔ امرتسر میں میونسپل کمشنر تھے۔ کروڑ کے لگ بھگ جائداد تھی۔ یہ خاندان احمد شاہ ابدالی کی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے اپنی فوج کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ جہاں جس کا دل چاہے۔ وہاں آباد ہو سکتا ہے۔ عبداللہ خاں صاحب امرتسر میں آباد ہو گئے۔ چونکہ اس سے پہلے یہاں کا کشمیری

مسلمان آباد تھے۔ تو انہوں نے اپنے رشتے ناطے کرنے شروع کر دئے۔ اور کاشمیریوں کا قاعدہ ہے۔ کہ ہر ایک کی ال ڈال دیتے ہیں۔ ایک کے گھر میں درخت تھا۔ اس کو تجی کہنا شروع کر دیا۔ اس نے درخت کٹوا دیا۔ تو تنا باقی رہ گیا۔ تو اس کو کلو کہنا شروع کر دیا۔ ایک شخص ہمیشہ اپنے ہاتھ میں حقہ رکھا کرتا تھا۔ اس کو جھجو کہنے لگے۔ جھجر کاشمیری میں حقے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح عبد کو آبل۔ اللہ کو دائیں مشہور کر دیا۔ لہذا یہ خاندان آبل دائیں خاندان مشہور ہو گیا۔ ان کے دادا میاں قمر دین صاحب سکھ سے کبھی ہاتھ نہیں ملایا کرتے تھے۔ جب گھر سے باہر آتے۔ اگر سامنے سے سکھ آ جاتا۔ تو گھر واپس لوٹ جاتے تھے۔ ایک دفعہ میں اور میاں صاحب لاہور سے امرتسر ریل گاڑی پر آ رہے تھے۔ تو امرتسر کا پہلا اسٹیشن چھیہاٹہ پر گاڑی کے انجن میں کچھ خرابی ہو گئی۔ فوراً اترے۔ اور انجن کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے اس انجن کا ڈرائیور اور گارڈ سکھ تھے۔ دونوں کو دیکھ کر جلدی سے واپس لوٹے۔ اور فرمایا۔ خادم مصطفٰے جلدی اترو۔ یہ گاڑی امرتسر نہیں پہنچے گی۔ اگر لاہور سے پتہ چل جاتا۔ کہ ڈرائیور اور گارڈ سکھ ہیں۔ تو میں کبھی اس پر سوار نہ ہوتا۔ میں اور وہ اسٹیشن سے باہر چلے گئے۔ اور تانگے میں بیٹھ کر امرتسر پہنچے۔

واقعی پانچ چھ گھنٹے کے بعد امرتسر سے انجن منگوایا گیا۔ اور گاڑی روانہ ہوئی۔ ہم صرف آدھ گھنٹے میں تانگہ سے پہنچ گئے۔ کیونکہ فیروز دین میاں قمر دین و میاں عبداللہ فوت ہو چکے ہیں۔ ان سب پر ہزاروں سلام

ایک شام میں ہیڈز روڈ پر نشے میں مخمور تھا۔ اور مچھلی کی دکان پر کھڑا تھا۔ میرے ساتھ تین چار دوست اور تھے۔ اچانک محمد خاں صاحب تشریف لائے۔ اور مچھلی والے کو کہنے لگے کہ خادم مصطفےٰ جتنی مچھلی کھائے۔ اس کو کھلا دو۔ ہم سب نے خوب سیر ہو کر مچھلی کھائی۔ محمد خاں صاحب میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

درویش

مجھے بچپن سے درویشوں سے ملنے کا بڑا شوق ہے۔ میں اپنے زمانے کے تقریباً ہر ایک درویش سے ملا۔ مگر سب درویشوں نے سوائے خادم مصطفےٰ کے اپنی زبان سے کبھی اپنے آپ کو درویش نہیں کہا۔ مگر خادم مصطفےٰ بہت عاجز مسکین۔ درویش انسان ہے۔ ۲۵ مارچ ۱۹۵۹ء کو مجھے معلوم ہوا۔ کہ پاکیزہ دیاباں عزت کی ہوا۔ ڈاکٹر فرانسس فشر آرچ بشپ آف

کنٹربری لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ آرچ بشپ کا خطاب عیسائی فرقہ یعنی چرچ آف انگلینڈ کے خطابوں میں سے معزز خطاب ہے۔ میں ان سے ملنے کے لئے لاہور گیا۔ تمام دنیا میں اس معزز انسان کے چار کروڑ مرید ہیں۔ دنیا کے چھ بڑے مذہبی فرقوں میں سے ایک ہے۔ ہاؤس آف لارڈز میں اس کی چھٹی نشستگاہ ہے۔ پہلے ملکہ یا بادشاہ پھر ڈیوک آف اڈنبرا ہیں اور شاہی خاندان کے افراد اور وزیر اعظم کی نویں نشستگاہ ہے۔ جوں ہی میں اندر گیا۔ تو ایک شخص جس کو میں پہلے بھی لندن میں مل چکا تھا۔ ویسے حسب العادت مسکرا رہا تھا۔ اور آنکھوں میں روشنی تھی۔ بیٹھا ہوا تھا۔ جب میں ان کو لندن میں ملا تھا۔ میں نے ان کے ارد گرد ہر قسم کے لوگ دیکھے۔ ان میں پولیس مین بیرے۔ خانسامے۔ سنتری۔ فوٹو گرافر اور اس کے ہم جماعتی تھے اور اپنے ہم جماعتوں سے بہت کھلی باتیں کرتے تھے۔ آپ چونکہ اپنے فرقے کے سب سے بڑے خطیب ہیں۔ دس گھنٹے روزانہ اور ہفتے میں سات دن کام کرتے ہیں۔ بادشاہ یا ملکہ کے روحانی طبیب ہیں۔ ان کے معبد خانوں کی آمدنی ۸۰ لاکھ پونڈ ہے۔ جب دنیا کی بشپ کانفرنس اکٹھی ہوتی ہیں۔ ان کی صدارت

آپ کرتے ہیں۔ گرجا کی رسوبات کے علاوہ رسوبات شادی
اور جنازے بھی خود پڑھاتے ہیں۔ ہر ایک شخص کو ان سے دلی محبت
ہے۔ رسوبات کے ادا کرنے میں وہ کبھی نہیں گھبراتے۔ آپ ایک
وزیر کے لڑکے ہیں۔ اکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۳ء
میں پادری ہوئے۔ چند سالوں کے لئے سکول ماسٹر مقرر ہوئے۔
ستائیس ۲۷ برس کی عمر میں ریٹن Repton کے ہیڈ ماسٹر
ہوئے۔ اٹھارہ سال ریٹن میں گزارے۔ اس کے بعد بشپ
آف چیسٹر ہوئے۔ بعد میں لنڈن کے بشپ ۱۹۴۵ء میں آرچ
بشپ آف کنٹبری مقرر ہوئے۔ ان کی رہائش گاہ کا نام سمتھ
پیلس جو کہ دریائے ٹیمز کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔
اٹھارہ کمرے ان کی ذاتی استعمال کے لئے بنے ہوئے ہیں۔
مگر وہ صرف چھ کمرے استعمال کرتے ہیں۔ باقی کمرے مہمانوں
اور پادریوں کو دے رکھے ہیں۔ چرچ آف روم سے صرف
ایک بات میں اختلاف رہتا ہے۔ اس چرچ کے پادری
شادی کر سکتے ہیں۔ ان کی بیوی بھی ہے۔ ان کے چھ لڑکے
اور پانچ پوتے پوتیاں ہیں۔ بڑے کنبے کو پسند کرتے ہیں۔
جب ان سے ریڈ ڈین Red Dean یعنی

ڈاکٹر ہیولٹ جانسن ڈین آف دی کنٹربری

Doctor Hewlett Johnson Dean of Conterbery

کے متعلق سوال کیا گیا۔ جو کہ کمیونسٹ ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔ جب یہ انگلستان میں ہوتا ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ سمندر پار چلا جائے۔ جب یہ سمندر پار چلا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ واپس یہاں آجائے۔ ؎ نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

مگر ایک دفعہ شروع ڈین نے چینیوں کے حق میں اور اتحادیوں کے خلاف کوریا میں دبائی کیڑوں کیخلاف بیان دیا۔ تو پارلیمنٹ میں بہت شور و غوغا ہؤا۔ اور تحریک شروع کی گئی۔ کہ ڈین کو برخاست کر دیا جائے۔ مگر آرچ بشپ نے جواب دیا۔ کہ ڈاکٹر ہیولٹ جانسن بے عقل ہے۔ پبلک کے لئے نیوسینس اور کمینسٹوں کا ورغلایا ہؤا ہے۔ انہوں نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ یہ انگریز کی ہی بردباری ہے۔ کہ ان کے اماموں میں سے ایک امام کمیونسٹ ہے۔ آرچ بشپ نے مزید کہا۔ کہ اگر اس کو برخاست کر دیا گیا۔ تو یہ زیادہ شرارتی ہو جائے گا۔ آج تک ننانوے لارڈ پادری یعنی آرچ بشپ مقرر ہوئے ہیں۔ نمیسٹ ایگ ٹامس پہلے آرچ بشپ مقرر ہوئے۔ جنہوں ڈاکٹر فشر نے

سفر کیا ہے۔ اتنا آج تک کسی نے نہیں کیا۔ آپ جس ملک میں
بھی گئے۔ وہاں کے رہنے والوں کی طرح حرکات کرتے رہے۔ جب
آپ لاہور میں چائے پارٹی پر بیٹھے۔ تو ایک شخص نے ڈکار لیا۔
میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کہ آپ نے فوراً ایک مصنوعی
ڈکار لیا۔ جب آپ نیوزی لینڈ میں ماوروں سے ملتے ہیں۔ تو
انہی کی طرح اپنا ناک بھی رگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ
انگریزوں میں، ناک رگڑنا بدتہذیبی ہے۔ اور تو اور انگریزوں
کا اخلاق اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ ایک دفعہ شاہ ایران
شاہی مہمان ہو کر انگلستان تشریف لائے۔ جب بکنگھم پیلس میں
کھانے کے بعد چائے تقسیم ہوئی۔ تو شاہ ایران نے چائے کو
پرچ میں ڈال کر پینا شروع کیا۔ جیسے کہ ایران میں عموماً چائے
پیتے ہیں۔ مگر انگلستان میں اس طرح چائے پینا بُرا سمجھتے ہیں۔
تمام شاہی خاندان معہ ملکہ معظمہ اور وزرا نے اپنی اپنی چائے
کو پرچ میں ڈال کر پینا شروع کر دیا۔ اگر ہندوستان یا پاکستان
ہوتا۔ تو میزبان ہنسنا شروع کر دیتے۔ یہ چائے انگریز کے
کام آئی۔ کیونکہ جب ٹیپو سلطان نے انگریزوں پر حملہ کیا۔ تو
ایران اور ترکی نے انگریز کی فوج کو راستہ نہ دیا۔ مگر نپولین کی

فوجوں کو افریقہ کے اوپر ہو کر آنا پڑا۔ لہذا ٹیپو سلطان کو بروقت فرانسیسی امداد نہ مل سکی۔ لہذا شکست کھا گئے۔ اگر نپولین کی فوج بھی بروقت آ جاتی۔ تو ہندوستان پر فرانسیسیوں کی حکومت ہوتی۔ اور ہندوستان اور پاکستان کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔

میاں یاور سعید

میاں یاور سعید صاحب منہاس راجپوت ہیں۔ ان کے والد میاں محمد سعید صاحب ضلع منٹگمری میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ اور میرے ہم سکول بھی ہیں۔ ان کے والد صاحب میاں فیروزالدین اور ان کے والد میاں سکھو جو کہ مہاراجہ پونچھ کے وزیراعظم تھے۔ جب مہاراجہ پونچھ بہت بری طرح لڑائی میں گھائل ہوا۔ اور میاں صاحب نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے۔ اس دشمن کو اپنی تلوار سے رام کیا۔ اور مہاراجہ کو اٹھا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ پونچھ کی سرحد آ گئی۔ اپنے سرحدی سپاہیوں کو دیکھ کر گھوڑا کھڑا کیا۔ مہاراجہ تو زخموں کی وجہ سے بے ہوش تو تھا ہی۔ خود بھی وہیں غش کھا گئے۔ بعد میں مہاراجہ پونچھ نے اپنا

وزیر اعظم مقرر کیا۔ مگر جب مہاراجہ فوت ہو گیا۔ تو وزارت چھوڑ دی۔ ولی عہد پیچھے بہت منت سماجت کی۔ کہ آپ نہ جائیں۔ فرمانے لگے۔ کہ تیرے باپ کے بغیر میرا دل نہیں لگتا۔ اگر میں پونچھ میں ہی مقیم رہا۔ تو دل ختم ہو جائے گا۔ اور میں بھی چل بسوں گا۔ پونچھ میں اب بھی میاں صاحب کی جائداد موجود ہے۔ میاں سکھو صاحب کی لاہور میں ۳۵ کوٹھیاں تھیں۔ لاہور میں آتے ہی مسلمان ہو گئے۔ ان پہ ہزاروں سلام۔

اس خاندان کو کرکٹ سے دلی رغبت ہے۔ باپ اور بیٹا کرکٹ کے اچھے کھلاڑی ہیں۔ باپ نے امرتسر میں بریڈ مین کے خلاف کھیلا اور بیٹے نے انگلینڈ میں سمرسیٹ کے مقام پر ٹیسٹ کا مقابلہ کیا۔ میں میاں یاور سعید صاحب اور ان کے والد میاں محمد سعید صاحب کو اپنی کمیٹی ٹرسٹ کا ممبر منتخب کرتا ہوں۔ میاں محمد سعید صاحب متحدہ ہندوستان کی ٹیم کے ممبر تھے۔ جس ٹیم نے M.C.C کو شکست فاش دی تھی پاکستان کرکٹ ٹیم کے تین سال کپتان رہے۔ لنکا میں بیٹنگ کا ریکارڈ قائم کیا۔

لنکا میں ایسی ہوا چلتی ہے۔ کہ گیند خود بخود اوپر چلا جاتا ہے جزیرہ لنکا میں ہوا اپنا رخ ۲۴ گھنٹوں میں تقریباً ۸۸ دفعہ بدلتی رہتی ہے

اور کھلاڑی جم کر نہیں کھیل سکتا۔ اور عام طور پر کیچ آؤٹ ہو جاتا ہے وہاں دنیا کے ریکارڈ ہولڈر بریڈمین Breadmann نے بھی میاں صاحب جتنا سکور نہیں کیا۔ آپ نے گنبد زمین کی طرف دبا کر کھیلا اور آؤٹ نہیں ہوئے۔ یعنی پہلے گئے اور آخیر میں آئے۔ ۱۹۴ رنز بنائیں۔ بریڈمین صرف ۱۴۴ رنز بنا کر آؤٹ ہو گیا۔ حنیف جو موجودہ زمانے کا سب سے زیادہ سکور کرنے والا ہے۔ ابھی اس کو لنکا کی ہوا سے واسطہ نہیں پڑا۔ دیکھئے جب وہ جائیں گے۔ تو کون سی ترکیب اور طرز اختیار کریں گے۔

میاں محمد سعید صاحب ڈائرکٹر آف انڈسٹریز۔ پیرنٹنڈنٹ و سیکریٹری آف ٹرانسپورٹ جیسے ممتاز عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ اب لائل پور میں ڈپٹی کمشنر ہیں۔

رشید الدین خاں

اِن کا نام R.D. Khan آر۔ڈی خاں میں نے رکھا تھا۔ میرے عزیز دوستوں میں سے ایک عزیز دوست ہیں۔ جب میرے ساتھ یہ دسویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ تو انہی کے گھر رہا کرتا تھا۔

برسوں بیچ رات اور صبح کا کھانا انہی کے ہاں کھایا ہے۔ شرارتوں میں سب سے آگے ہوتا تھا۔ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ سب سے بڑی شرارت حمیدہ باڈ والی شرارت کے نام سے مشہور ہے اب کوہاٹ میں اوای الیس میں ٹیچر ہیں۔ مجھے آج تک کبھی خط نہیں لکھا، سوائے ایک خط کے جو ذیل میں درج ہے۔

S. T. O

Kohat

خادم بھیا

کتاب میں ضرور لوں گا۔ مگر میرا پتہ مندرجہ بالا ہے صرف کاکول کی بجائے کوہاٹ لکھیں۔ نیاز کو کتاب مل چکی ہے۔ کارلا لکھنے سے ارشاد والسلام۔

اختر رشید۔

یہ ان کا پہلا خط ہے۔
لہذا یہ بھی میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔



محمد افضل خاں وَڈّو

وڈو خاندان راجپوت جنجعہ ہیں جو کہ راجپوتانے میں واقع ہے
وہاں کے رہنے والے ہیں۔ ہمیشہ یہ خاندان چھوٹوں اور غریبوں کی
مدد کرتا رہا ہے اگر کسی امیر نے غریب کو تنگ کیا۔ تو یہ وڈو ہمیشہ غریب
کا ساتھ دے گا۔ سچ گو قوم ہے۔ ظالم سے ہمیشہ لڑتا ہے۔ اگر میری
اس بات پر کسی کو اعتبار نہیں۔ تو آپ محمد افضل خاں وڈو کو دیکھیں۔
اوکاڑہ میں بھی رہتے ہیں۔ اور موضع وڈو تحصیل خوشاب ضلع
سرگودھا میں ان کی اراضی موجود ہے۔ ان کے والد صاحب میجر
محمد شیر خاں ہیں۔ آپ نے گورنمنٹ کالج منٹگمری سے F-A
ایف۔ اے کیا۔ کبڈی کے بہت شاندار کھلاڑی ہیں غرضیکہ
ہماری فوج کی ٹیم کے خلاف کھیلے۔ اور انہی کی وجہ سے آرمی
کی ٹیم مات کھا گئی۔ ایک روز مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ ڈاکٹر میں
نے تیرا غور سے مطالعہ کیا۔ اور کر رہا ہوں۔ سمجھ نہیں آتی۔ تو کیا
ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا۔ کہ تو بدمعاش ہے۔ لیکن تو بدمعاش بھی
نہیں۔ پھر بعد میں میں نے سوچا۔ کہ تو سیدھا اور بھولا سا ہے۔ مگر تو

بہت ذہین اور سمجھدار ہے۔ بعد میں خیال آیا۔ تو ذاتی ہے مطالعہ سے پتہ چلا۔ کہ تو یہ کام بھی نہیں کرتا۔ اور تو تو عورت کا دلی احترام کرتا ہے۔ پھر میں نے سوچا یہ روزانہ چپکے جاتا ہے۔ وہاں کچھ کرتا ہوگا۔ بعد میں پتہ چلا۔ کہ جتنی بھی اداکارہ کی طوائفیں ہیں۔ تجھے اباجی کہہ کر پکارتی ہیں۔ دس سال کے عرصہ سے میں تیرا جائزہ لے رہا ہوں۔ تیری پہلی تصنیف پڑھ کر پتہ چلا۔ تو گاتا بھی ہے۔ اور واقعی یہ درست ہے۔ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے۔ ادبیں کے میکے تو ہے کیا۔ میں نے جواباً کہا۔ افضل صاحب خادم مصدافئے بہت عاجز مسکین انسان ہے۔ فرمانے لگے۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ میری ہمیشہ مدد کرتے رہے ہیں۔ ایک دو روپیہ سے نہیں۔ بلکہ سینکڑوں روپوں تک کی مدد کرتے رہے ہیں۔ لہذا یہ میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔

نسیم خورشید الحق

یہ میرے دوست بھی ہیں۔ اور میرے دوست کے چھوٹے بھائی بھی ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کی طرح ادیب نواز بھی ہیں۔ میری

ہمیشہ مدد فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ میں منٹگمری میں گاندھی چوک سے ایس۔ کے بینرجی کے گھر جا رہا تھا۔ گاندھی چوک کے آگے جو چوک ہے۔ اس کے درمیاں میں ایک کنواں تھا۔ اس کنوئیں کو میں نشہ کی حالت میں بطور نشانی کے استعمال کیا کرتا تھا۔ وہ کنواں چوہدری نیاز احمد صاحب ڈپٹی کمشنر کے حکم سے پُر کروا دیا گیا۔ جونہی میں نشہ میں مخمور اس چوک میں آیا۔ تو کنواں غائب۔ میں نے پنواڑی سے کہا۔ کہ یار یہاں پر کنواں تھا۔ کہاں گیا۔ دوسرے دکان دار سے پوچھا۔ کہ یہاں کنواں تھا۔ کہاں گیا۔ حتیٰ کہ جو بھی راہ گیر گذرا۔ میں نے اس سے یہی سوال کیا۔ سب نے یہی جواب دیا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کنواں ڈی سی صاحب کے حکم سے پر کروا دیا گیا ہے میں حیرا باگھوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ کنوئیں لگوائے جاتے ہیں۔ یا پُر کروائے جاتے ہیں۔ اسی اثنا میں تسیم کے۔ حق صاحب تشریف لے آئے۔ فرمانے لگے۔ بڑے بھیّا کیا بات ہے۔ میں نے اپنی بات دھرائی۔ فرمانے لگے۔ آپ نے کنوئیں کو کیا کرنا ہے۔ میں نے کہا بطور نشانی استعمال کیا کرتا تھا۔ تاکہ بینرجی کے گھر تک پہنچ جایا کروں مجھے بغل میں لیا۔ اور بینرجی کے گھر تک پہنچایا۔ خود میری چارپائی بچھائی۔ اور اس پر لٹا یا۔ جب تک میں سو نہیں گیا۔ آپ میرے پاس

بیٹھے رہے۔

۵ مزا تو جب ہے گرتوں کو تھام لے ساقی

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کو بھوک نے بہت ستایا۔ باہر نکلے راستے میں حضرت ابوبکر رضؓ ملے۔ ان سے پوچھا۔ کہ قرآن کریم کی اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ اطعمو الجائع والمعتر الخ (کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ) حضرت ابوبکر رضؓ نے مطلب سمجھا دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ ان کو چھوڑ کر آگے نکل گئے۔ اور دل میں کہا۔ کہ ہوں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ راستے میں حضرت عمر رضؓ ملے۔ اور ان سے آیت کا مطلب پوچھا۔ حضرت عمر رضؓ نے بھی آیت کا مطلب بتا دیا۔ ابوہریرہ رضؓ ان کو بھی چھوڑ کر آگے نکل گئے۔ اور دل میں کہا۔ مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ پھر راستے میں حضرت علی رضؓ ملے۔ آیت پڑھی اور مطلب پوچھا۔ حضرت علی رضؓ نے جواب دیا۔ کہ ابوہریرہ افسوس میرے پاس خود کھانے کو نہیں۔ ورنہ میں تمہیں ضرور کھلاتا۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان سے باہر تشریف لائے۔ اور مسکراتے ہوئے ابوہریرہ رضؓ کو بلاتے ہیں مسجد میں ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی اصحاب الصفہ کو بھی اکٹھا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ اور خود حضور صلعم گھر تشریف لے جاتے ہیں اور دودھ کا ایک پیالہ ہاتھ میں لے کر باہر تشریف لاتے ہیں۔ ابوہریرہ رضؓ

کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ لو ان کو پلاؤ۔ واصحاب الصفہ کی طرف اشارہ فرمایا) ابوہریرہ دل میں خیال کرتے ہیں۔ کہ ایک پیالہ دودھ کا کون کون پئے گا۔ آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق آپ ایک صحابی کو پیالہ پکڑا دیتے ہیں۔ اور وہ صحابی سیر ہو کر پیتے ہیں۔ پھر وہ پیالہ واپس ابوہریرہ رضؓ کو دے دیتے ہیں۔ اور ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ پیالہ دوسرے صحابی کو پکڑا دو۔ ابوہریرہ رضؓ کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پہلی دفعہ کچھ دودھ بچ گیا تھا۔ اب ایک قطرہ بھی باقی نہیں بچے گا۔ دوسرا صحابی سیر ہو کر پیتا ہے۔ اور پھر واپس پیالہ ابوہریرہ رضؓ کو پکڑا دیتا ہے۔ الغرض علیٰ ہذالقیاس اسی طرح مسجد میں حاضر تمام ہی نے دودھ پیا۔ اور پیالہ بھرا کا بھرا حضرت ابوہریرہ رضؓ کے ہاتھ میں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ابوہریرہ پیو! ارشاد کی تعمیل ہوتی ہے۔ جب پیالہ ابوہریرہ رضؓ منہ سے جدا کرتے ہیں۔ تو پھر آنحضرت صلعم مسکرا کر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ابوہریرہ رضؓ اور پیو۔ ابوہریرہ رضؓ عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اب تو دودھ میرے ناخنوں سے بہنے کو ہے۔ تب آنحضرت صلعم پیالے کو لیتے ہیں۔ اور دودھ نوش فرماتے ہیں۔

ایک دوست نے مجھے رات گئے گیارہ بجے آواز دی۔ میں نے

آواز سے پہچان لیا۔ کہ فلاں دوست ہیں۔ میرا وہ دیرینہ دوست تھا اتنی رات گئے۔ وہ میرے پاس کبھی بھی نہیں آیا تھا۔ میں نے اس کو کہا۔ کہ ٹھہرو میں آتا ہوں۔ میں نے اپنی چیک بک ڈھونڈنی شروع کر دی۔ اور ایک سادہ چیک بک پر رقم تو نہ بھری۔ مگر اپنے دستخط کر دئے۔ چیک بک ڈھونڈنے میں کوئی پانچ دس منٹ لگے۔ میں نے دروازہ کھولا۔ اور میں نے کہا۔ پیارے آؤ۔ اور اندر داخل ہو جاؤ۔ کہنے لگا یار اتنی دیر لگا دی۔ میں نے کہا۔ ننگا سویا ہوا تھا۔ کپڑے پہن رہا تھا۔ اب اوڑھے ہیں۔ تو آیا ہوں۔ اس نے کہا۔ کہ بھئی کچھ روپوں کی ضرورت ہے۔ دفتر کے حساب میں کچھ گڑبڑ ہو گیا ہے۔ میں نے فوراً وہ سفید چیک ان کو دے دیا۔ میرا بنک میں کافی روپیہ تھا۔ میں نے کہا۔ بھائی جتنی رقم کی ضرورت ہو۔ اس میں بھر لینا۔ اور یہ فونٹن پن بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ تا کہ سیاہی میں فرق نہ آئے۔ جب تین ماہ کے بعد حساب آیا۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ اس نے صرف سو روپیہ نکلوایا تھا۔ پھر جب دوسری دفعہ حساب آیا۔ تو معلوم ہؤا۔ کہ خود بخود ہی دوست نے سو روپیہ جمع کرا دیا۔ لہذا میں نسیم کے حق کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

جنوبی افریقہ

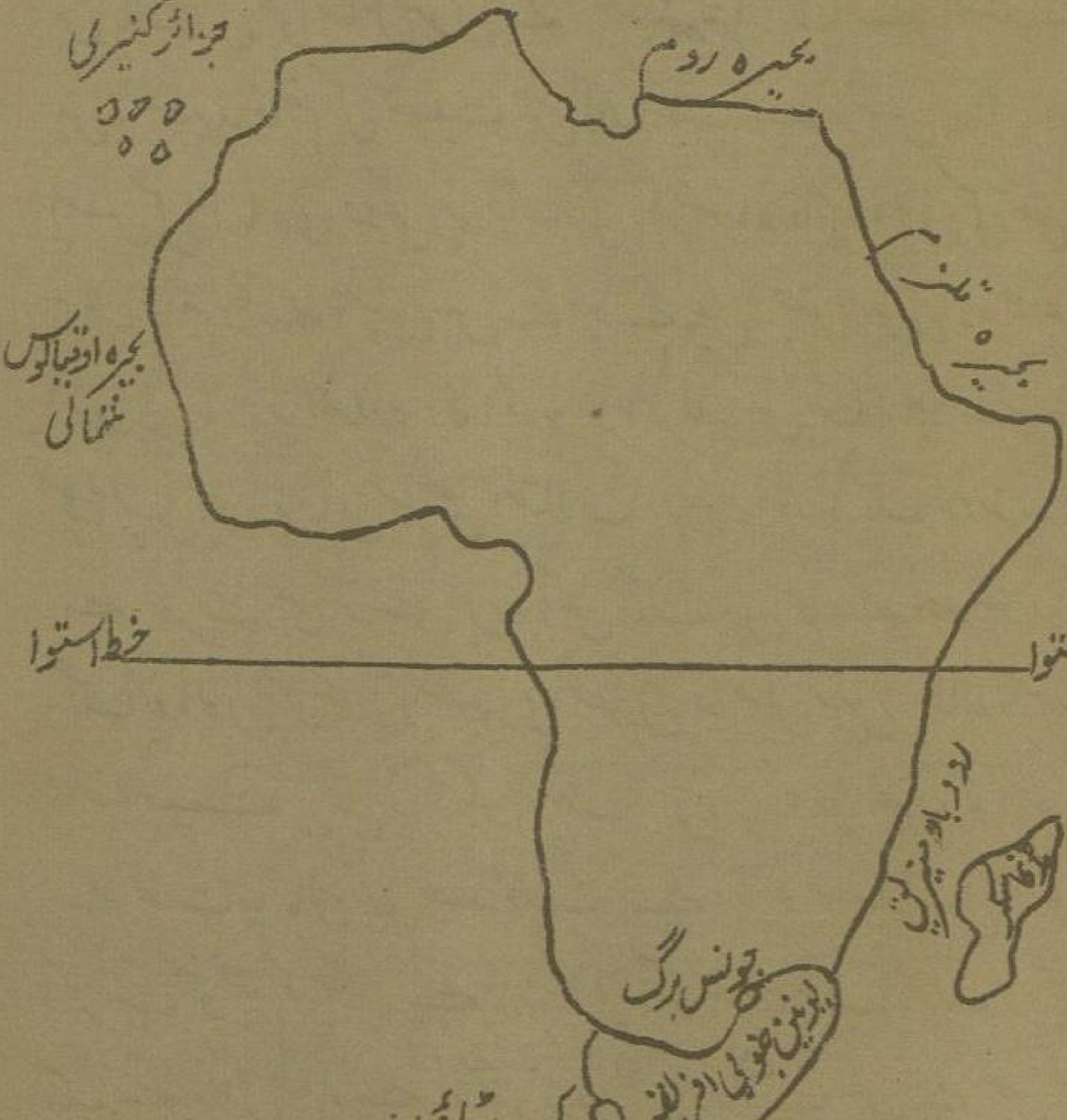
ایک روز صبح میں نے ایک اخبار کے پہلے صفحہ پہ ایک شیر فروش کی فوٹو دیکھی وہ شیر فروش دودھ میں پانی ملایا کرتا تھا عدالت میں اس کی بیٹی نے اس کے خلاف گواہی دی۔ عدالت نے آئیندہ کے لیئے اس کا دودھ بیچنا بند کر دیا۔ اسے اتنا جرمانہ کیا۔ کہ جتنا منافع اس نے پانی ملاکر کمایا تھا۔ اور کمایا ہوگا۔ یہ ہے قومی کریکٹر۔ گیتا کا شروع کا سبق یہ ہے۔ کرشن جی مہاراج جب کوروؤں کے خلاف لڑنے گئے۔ تو ارجن نے عرض کی۔ کہ مہاراج مجھے میدان جنگ کا نقشہ دکھاؤ۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ اے ارجن اپنی آنکھیں بند کر۔ اور اپنے مخالفوں کو دیکھ۔ جونہی ارجن نے آنکھیں بند کیں۔ تو مخالف فوج کے سب سپاہی ان کو نظر آنے لگے۔ وہ سب کے سب ارجن کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ کوئی پھوپھا کوئی ماموں کوئی چاچا کا بیٹا علیٰ ہٰذا القیاس ارجن نے آنکھیں کھول کر اپنی بان اور تیر نیچے رکھ دیئے۔ کرشن جی سے عرض کی۔ کہ اے مہاراج یہ تو سب کے سب میرے عزیز ہیں۔

میں ان سے کیسے لڑ سکتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ ارجن یہ پاپی ہیں۔ پلیگ کے چوہے ہیں۔ ان کے خلاف لڑو۔ حتیٰ کہ ان کا ناش ہو جائے۔ ارجن اس انداز سے لڑا۔ کہ ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ قارئین دیکھئے۔ حکم تو ہندوؤں کے لئے ہے۔ مگر یہ حکم مانتی یورپین اقوام ہیں۔ تب ہی کرشن جی مہاراج نے کہا ہے۔ پاپیوں کے ناش کے لئے اور سادھوؤں کی رکھشا کے لئے میں ہمیشہ جنم لیتا ہوں۔ کرشن جی مہاراج جنوبی افریقہ میں بھی جنم لیں۔ اور سفید پاپیوں کا ناش کریں۔ سری کرشن جی مہاراج کالے رنگ کے تھے۔ آپ کے رنگ سے ملتے جلتے لوگوں کو یہ سفید نام بہت تنگ کرتے ہیں۔ میں نے بہت پادریوں سے پوچھا۔ کہ جنوبی افریقہ میں آپ کا اخلاق کدھر گیا۔ اور انجیل کی بتائی ہوئی باتیں کہاں ہیں نوے لاکھ پر تمیس لاکھ سفید رنگ والے حکومت کرتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ ایک پادری سے پوچھا۔ کہ حضور مسئلہ تثلیث میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس پادری صاحب نے جواب دیا۔ کہ ایشیا ئیوں کو اس مسئلے کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ میں نے عرض کی۔ حضرت عیسیٰ کس بر اعظم کے رہنے والے تھے۔ جواب ندارد۔ جتنا دکھ اور کرنت مجھے جنوبی افریقہ دیکھنے سے ہوئی۔ اتنی آج تک کبھی نہیں ہوئی۔

پنڈت جواہر لعل نہرو سے مجھے عقیدت ہے۔ کیونکہ جنوبی افریقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ اور کالے رنگ والوں سے ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔۔ بہت بڑی بات ہے۔ مگر جنوبی افریقہ والے پنڈت جی کو جواب دیتے ہیں۔ کہ آپ کے ملک میں تو اچھوتوں کو پانی تک پینے کے لئے میسر نہیں۔ اور کنوؤں پر جانے کی اجازت نہیں مندروں میں آپ انہیں جانے نہیں دیتے۔ ہم کالوں میں گھلا ہوا سیسہ تو نہیں ڈالتے وغیرہ وغیرہ۔ یہ جواب سن کر پنڈت جی خاموش ہو جاتے ہیں۔ قارئیں آپ ہی بتلائیں کہ کیا جائے جنوبی افریقہ بالکل خود مختار اور آزاد مملکت ہے۔ اور برطانیہ کی دولت مشترکہ میں بھی شامل ہے۔

نقشہ براعظم افریقہ بر صفحہ ۹۱ ملاحظہ ہو۔

نقشہ براعظم افریقہ



یہاں تین رنگ کے لوگ آباد ہیں۔ سفید۔ بھورے۔ اور سیاہ فام
اس کی کل آبادی ایک کروڑ پینتیس لاکھ ہے۔

نوے لاکھ ملکی باشندے یعنی افریقی تیئں لاکھ گورے۔ کچھ دس لاکھ سے زیادہ بھورے اور چار لاکھ ہندوستانی ہیں۔ اب ان میں پاکستانی بھی شامل ہوں گے۔ پینسٹھ ہزار ملایا کے باشندے ہیں۔ سفید فام کی نسبت تین اور ایک ہے۔ تیس سال میں اس کی آبادی دوگنی ہو جائے گی۔ مگر سیاہ فام والوں کی تگنی۔ سفید فام والے آپس میں بٹے ہوئے ہیں۔ جس میں بارہ لاکھ نو انگریز ہیں۔ اور اٹھارہ وہ انگریز جو افریقہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا آپس میں زبان کا بھی اختلاف ہے۔ اور ایک دوسرے سے نفرت بھی کرتے ہیں۔ اس ملک میں کالے اور بھورے رنگ والوں کو کوئی شہری حقوق حاصل نہیں۔ حالانکہ سفید فام اقلیت ہیں۔ مگر یہاں کی اکثریت کو انہوں نے بہت پامال کیا۔ قصہ عجیب ہے۔ نہ تو سفید نسل کالی اکثریت کو ختم کر سکتی ہے۔ نہ کالی اکثریت سفید اقلیت کو ملک سے نکال سکتی ہے۔ اتنی بدمزگی اور خوف میں نے کبھی اپنے سفر میں نہیں دیکھا۔ مثال کے طور پر جوہنرگ جو افریقہ کا تیسرے درجے کا شہر ہے۔ اول نمبر پر قاہرہ دوم الیگزینڈریا۔ ان میں اکیلی عورت موٹر نہیں چلا سکتی۔ کیونکہ حملے کا بہت خطرہ ہوتا ہے۔

انگریزوں کے بچے صرف اپنی پارکوں اور گراؤنڈوں میں کھیل سکتے ہیں۔ جو ان کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ اکیلے گلیوں میں نہیں چل پھر سکتے۔ محبت کرنے والے کبھی کسی باغ میں اکٹھے نہیں بیٹھ سکتے۔ میں نے وہاں کسی آدمی کو اکیلے چلتے پھرتے نہیں دیکھا۔ سونے والے اپنے تکیوں کے نیچے بندوق اور پستول لے کر سوتے ہیں۔ جن کے پاس بندوق اور پستول نہیں ہیں۔ ان کی چارپائیوں کے نیچے ایک خطرناک قسم کا کتا ہوتا ہے۔ قارئیں دو ہفتہ کے لئے اس ملک کو ذرا دیکھ آئیں۔ دنیا کی اقوام متحدہ کہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ کیوں دخل نہیں دیتی۔ ان کی انصاف کی رگ کیوں نہیں پھڑکتی۔ پادری چپ کیوں ہیں۔ مذہب کہاں گیا۔ انسانیت کس چیز کا نام ہے۔ آپ کے ملک کا اگر یہ حشر ہو۔ تو آپ کا کیا خیال ہے۔ اس ملک میں کوئی سفید رنگ والا ہندوستانی، پاکستانی سیاہ رنگ والے سے ہاتھ نہیں ملاتا۔ مسٹر کا لفظ بھی استعمال نہیں کرتے۔ اگر سیاہ فام سرکاری عمارت میں جانا چاہے۔ تو وہ لفٹ پر نہیں چڑھ سکتا قطب صاحب کی لاٹ کی سیڑھیاں چڑھے گا۔ جونسبرگ کے وسط کے سینما ڈل اور تھیٹروں کے دروازے سیاہ فام والوں کے لئے بند ہیں۔ وہ اس علاقے کی لائبریری میں بھی نہیں جا سکتے۔

سفید رنگ والوں کے لئے سفید رنگ والی ٹیکسیاں اور بسیں
سیاہ رنگ والوں کے لئے سیاہ رنگ کی ٹیکسیاں اور بسیں ہیں۔
کالی بسیں باوجود بھرنے کے خالی معلوم ہوتی ہیں۔ اندھیرے میں کالا
کب دکھائی دیتا ہے۔ بقول علامہ اقبال۔ ایک دفعہ سر شہاب دین جو کہ
بہت کالے تھے۔ کالا سوٹ پہن کر کوٹھی سے باہر آئے۔ اتفاقاً علامہ
اقبال ان کی ملاقات کے لئے جا رہے تھے۔ علامہ صاحب نے
ان سے کہا۔ آپ تو ننگے تشریف لے آئے۔ مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔
دو انگریز جا رہے تھے۔ تو سامنے سے ایک حبشی آ رہا تھا۔ ایک انگریز
نے دوسرے انگریز سے کہا۔ کہ بھئی یہ لوگ اتنے سیاہ فام کیوں ہیں؟
دوسرے انگریز نے جواب دیا۔ کہ ان کے باپوں نے کالی سیاہ
رنگ والی دواتوں سے شادیاں کر رکھیں ہیں۔ یہ لوگ کالی دواتوں
کی اولاد ہیں۔ ہندوستانی اور پاکستانی بالائی بس کی منزل میں آخری
نشستوں پر بیٹھ سکتے ہیں۔ گوروں کے لئے بسوں کی انتظار گاہیں
بنی ہوئی ہیں۔ قارئیں اس علاقے میں بارش سردیوں میں ہوتی ہے۔
کیونکہ یہ ٹکڑا زمین بحیرہ روم کے خطہ میں واقع ہے سیاہ فام ریل
گاڑیوں کے کھانے والے ڈبے میں نہیں جا سکتے۔ کالے حکماً خاص
رنگدار کمبل اوڑھنے پر مجبور ہیں۔ ان کے لئے دفتر میں کوئی نوکری نہیں۔

کوئی کالا مزدور قانوناً کان کنی کی نوکری نہیں چھوڑ سکتا۔ مزدوری کی ہڑتال نہیں ہو سکتی۔ صرف چند آدمیوں کے اپنے مطابق۔ کوئی کالا شہر میں مکان نہیں بنوا سکتا۔

تیرہ کروڑ کی آبادی میں صرف نو ہزار رائے دہندگان ہیں اسمبلی میں آٹھ سفید سیٹ ہیں۔ چار انتخاب شدہ اور چار سرکاری ہیں۔ نو سفید ممبر سیاہ فام والوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں دو سو سات ممبر ہیں۔ کوئی بھی افریقی ہندوستانی یا پاکستانی اور بھورے رنگ والا ممبر نہیں بن سکتا۔ تعلیم کی حالت بہت دگرگوں ہے۔ چالیس فیصد افریقی بچے پرائمری سکولوں میں جاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم پانے کے لئے بہت مشکلات حائل ہیں۔ یونیورسٹیوں میں صرف سفید فام داخل ہو سکتے ہیں۔ کالے کالجوں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دنیا کی روٹری (Rotary) کلبیں کہاں گئیں۔ مذہب کدھر جا گھسا۔ میری جماعت احمدیہ سے التماس ہے۔ کہ جنوبی افریقہ میں ایک مبلغ بھیجے۔ اس جیسا انسانیت سوز ملک میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ ہر ایک کالے رنگ والے کے پاس ایک چھوٹی سی کتاب ہوتی ہے۔ جس پر اس کی فوٹو ہوتی ہے۔ اس کتاب سے اس کے گذرے ہوئے زمانے کے حالات انسان ایک منٹ میں پڑھ

سکتا ہے۔ اس کتاب کے بغیر سیاہ فام نہ تو شہر میں رہ سکتا ہے اور نہ نوکری کر سکتا ہے۔ صرف چلنے پھرنے کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں ایک سال میں نو لاکھ اڑسٹھ ہزار پانچسو ترانویں اشخاص گرفتار ہوئے۔ ان میں سے آٹھ لاکھ اکسٹھ ہزار دوسو افراد کو سزائیں ہوئیں۔ پولیس کو اختیار ہے۔ کہ جوہنسبرگ کی کسی بڑی شاہراہ پر سیاہ رنگ والے کو پکڑ سکتی ہے۔ جو اس پر چلے پھرے۔ مگر چھ رعائتیں بھی سیاہ فام کو دی گئیں ہیں۔ کالا اپنی دولت۔ جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ مزدوری بہت ہے۔ مزدور اس مزدوری میں اپنے بال بچوں کا عیاشی سے گذارہ کر سکتا ہے۔ پرائمری تعلیم عام ہے۔ حبشی پریس بھی ہے۔ اور حبشی پولیس میں بھی لئے جاتے ہیں۔ مگر اپنے ساتھ اسلحہ نہیں لے سکتے۔ اور یورپین کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ ریزرو میں ان کی حالت اچھی ہے۔ اس ملک میں نوے فیصدی سرمایہ صنعتی اداروں میں برطانوی انگریز کا ہے۔ سب کاروبار انگلستان کے ہاتھ میں ہے۔ تمام افریقی انگریز بہت سرمایہ دار ہیں۔ انگلستان والے اس لئے اس ملک کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ اس ملک کا سرمایہ گھسیٹنے میں مصروف ہیں۔ برطانیہ کی بنی ہوئی چیزوں۔ کا جنوبی افریقہ سب سے بڑا گاہک ہے۔ برطانیہ

میں سونا لانے کے لئے جنوبی افریقہ سے بڑا ذریعہ ہے۔ برطانیہ نے اس ملک میں ۳۵ کروڑ پونڈ کی مالیت کا سرمایہ لگا رکھا ہے۔ اس کیپ کے سمندری راستے نے اس جگہ کو اور بھی اہمیت دے رکھی ہے۔ سائمن ٹاؤن۔ ایک بہت بڑا بحری اور جنگی جہازوں کا اڈا ہے۔ اور وہاں کے عام لیڈر جنوبی افریقہ کو ریپبلک بنانا چاہتے ہیں۔ اور دولت مشترکہ کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسا طریقہ نکل آئے گا۔ جس طرح پاکستان اور ہندوستان آزاد مملکتیں ہیں۔ اور دولت مشترکہ میں بھی شامل ہیں۔ اگر دنیا کی حالت یونہی رہی۔ جیسے کہ آج کل یعنی ۱۹۵۸ء میں ہیں۔ تو یہ ظلم بیس۲۰ پچیس۲۵ سال تک اور رہے گا۔ یہ ظلم تاابد ہے۔ ۱۹۵۸ء میں افریقہ کے تمام ممالک نو ممالک کی کانفرنس ہوئی۔ جس میں انہوں نے جنوبی افریقہ کی حکومت کو ملعون بھی کیا۔ بیلی چھٹ داکے گھر میں دیر ہے۔ اندھیر نہیں۔ قدرت ضرور انصاف کرتی ہے۔ دیکھ لینا آپ کی آنکھوں کے سامنے ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ میری اس ملک کے کمیونسٹوں سے درخواست ہے۔ کہ ذرا جنوبی افریقہ کے مزدوروں کی ایک آدھ ہڑتال کروا آئیں۔ ہڑتال نہ کروا سکیں تو ایک آدھ تقریر ہی کر آئیں۔ بلکہ فوج سے مؤدبانہ گذارش ہے۔ کہ مجھے جنوبی افریقہ بھیج دیں۔ اگر مشن قائم نہیں کر سکتے۔ تو کم از کم جاکر

باجا ہی بجا آئیں۔ اگر باجا نہیں۔ تو فقط باجا ہی بجا آئیں۔ جس پہ بس ادا کر دوں گا:۔

حبیب اللہ خاں

خاں حبیب اللہ خاں بلوچ۔ دراصل بلوچ بہروچ کا بگڑا ہوا ہے ملک حلب کا لفظ ہے۔ عراق اور ایران سے اس کی ابتدا ہوئی جہاں پر بھی اس جگہ کا نام بلوچستان ہو گیا۔ حبیب اللہ خاں کے جدِ امجد کا نام باما تھا۔ باما خاں صاحب بلوچستان سے نقل کو پار کر کے زنگ پور بھگور سے ہوتے ہوئے۔ شاہ پور آئے، وہاں سے وادی کو پار کر کے باما بالا کے مقام پر ڈیرے ڈالے۔ باماں خاں کے پاس بہت سے اونٹ اور مویشی تھے۔ جو کہ اس زمانہ کی امارت کا نشان تھا۔ ۱۷۸۰ء میں بابا بالا کے مقام پر سکھوں سے مقابلہ ہوا۔ اس معرکہ میں سکھوں کو شکست ہوئی۔ بعد اس علاقہ پر قابض ہو گئے۔ باما خاں پر پڑ ادل سلام

حبیب اللہ خاں بہت فاضل ایڈوکیٹ ہیں۔ منٹگمری میں وکالت کرتے ہیں شاد رہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے بھی پاکستان کے حامی تھے دل بہادر ہیں۔ لہذا یہ میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔

خان محمد ارشد خاں لودھی

خان محمد ارشد خاں لودھی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بہاول لودھی
کی اولاد سے ہیں۔ شہر لودھیانہ کا نام اصل میں لوہ دھی یعنی
لودھیوں کا آباد کیا ہوا۔ ان کا کنبہ جالندھر اور کچھ ہوشیار پور آ گیا۔
ان کے والد ماجد ڈاکٹر رحمت علی خاں کراچی میں ڈاکٹر تھے۔ تیسری
جماعت تک کراچی میں پڑھے۔ جب آٹھ سال کے تھے۔ تو ان کے
والد ماجد صاحب فوت ہو گئے۔ ان پر ہزاروں سلام۔
تو آپ نے اپنے ننھیال کے ہاں ہوشیار پور آ گئے۔ اور ایف اے
ہوشیار پور میں کیا۔ اور سیدھے تھانیدار بھرتی ہو گئے۔ میرے ساتھ
ہمیشہ بہت ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ کبھی کبھی گالی بھی بہت
دیتے ہیں۔ جس کا مجھے بہت مزا آتا ہے۔ ہمیشہ مجھے گھنڈ
کے نام سے پکارتے ہیں۔ شاد رہیں۔ سلامت رہیں۔
اور یہ میری ٹرسٹ کے ممبر ہوں گے۔ آپ مقرر بھی ہیں۔
جب میں انگریزی میں کوئی مضمون بھی لکھتا ہوں۔ تو ان کو ضرور دکھا دیتا ہوں
مطالعہ کا بہت شوق ہے۔ فال اور رمل میں کافی دسترس رکھتے ہیں۔

سردار غلام مہدی خاں

آپ راجپوت مہاراجہ منہاس کی اولاد سے ہیں۔ اسی لئے یہ منہاس راجپوت کہلاتے ہیں۔ ضلع جہلم میں چوراسی گاؤں پر قابض تھے۔ ان کے جدّ امجد کے پاس اتنے گھوڑے تھے۔ کہ پورا احمدآباد نامی گاؤں صرف ان گھوڑوں کے لئے چارہ مہیا کرتا تھا۔ یہ کوٹ کالوں کے باشندے تھے۔ جس کا اب نام کوٹ چوہدری ہے۔ ارد گرد کے جتنے گاؤں بھی تھے۔ وہ سیدوں کے تھے۔ ان سادات کے حسن اخلاق کی وجہ سے یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ سکھوں سے برابر لڑتے رہے۔ جب جنرل نکلسن نے سکھوں کو شکست دی۔ تو سید اور منہاس قوم اور دوسری قوموں نے جنرل نکلسن کو دعوت دی۔ مگر وہ ان کے ہاں آ گئیں۔ جب جنرل نکلسن نے ان کے گاؤں جانے کا ارادہ کیا۔ تو سکھوں نے کہا۔ آپ ان کے گاؤں میں مت جائیں۔ کیوں کہ جونہی آپ جائیں گے۔ تو وہ مسلمان آپ کی بیوی کو اغوا کر لیں گے۔ جنرل نکلسن واپس چلا گیا۔ اور ان کی ساری کی ساری جائداد اور چوراسی کے چوراسی گاؤں ضبط کر لئے۔ سردار غلام مہدی خاں کے پردادا

سردار محمد خاں (ان پر ہزاروں سلام) جنرل نکلسن کو ملے۔ اور صحیح واقعات بیان کئے۔ تو جنرل نے ان کو بارہ گاؤں واپس دے دیئے۔ سردار غلام مہدی خاں سیدھے ریلوے میں تھانیدار بھرتی ہو گئے۔ محنتی، قابل، با اخلاق، ادیب، اور ادیب نواز بھی ہیں۔ ایک دفعہ ان کے عزیز کچھ چیزیں جہلم سے لائے۔ اور سپاہی کو تھانے میں دے گئے۔ اس سپاہی کو وہ چیزیں بہت پسند آئیں۔ جو کھانے والی تھیں۔ وہ تو رگڑ گیا۔ اور جو دوسری تھیں۔ وہ اپنے استعمال کے لئے اپنے گھر لے گیا۔ گو سردار صاحب کو پتہ چل گیا۔ مگر اس سپاہی کو تو کچھ نہیں کہا۔ صرف میرے سامنے اتنا کہا۔ کہ ہم لوگ تو دوسروں کی چیزوں کے رکھوالے ہیں یا امانت میں خیانت مت کیا کرو۔ ورنہ دکھ اٹھاؤ گے۔ لہذا سردار مہدی خاں، سردار اختر حیات خاں، سردار محمد سرور خان راولپنڈی والے، سردار محمد اکبر خاں آفیسر مال، ملک جہان خاں آف کھنڈہ یہ سب میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

چوہدری مشتاق احمد صاحب

چوہدری احمد صاحب ادیب بھی ہیں۔ اور ادیب نواز بھی ہیں۔ ان کے بڑے سلیم محمد بن قاسم کے ساتھ عرب سے تشریف لائے تھے

اور عرب فوجوں کو رسد پہنچانے کے نگران تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے آپ نکودر میں آباد تھے۔ اب رینیالہ خورد ضلع منٹگمری میں آباد ہیں۔ میرے عزیز دوستوں میں سے ہیں۔ نامہ نگار بھی ہیں۔ کہتے ہیں علم پڑھنے اور پڑھانے سے آتا ہے۔ آپ پڑھاتے ہیں۔ میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر منتخب کرتا ہوں۔

مرزا عبدالرشید صاحب

میری اور مرزا صاحب کی دوستی ۱۹۴۳ء میں مسلم ہائی سکول میں ہوئی۔ اس کے بعد میں اور مرزا صاحب کانپور میں تین سال اکٹھے رہے۔ کانپور میں جو جو باتیں ہم نے کیں۔ سپرد قلم نہیں ہو سکتیں بہت دوست نواز آدمی ہیں۔ جب میں اپنی ضمانت پیشی از گرفتاری کرانے کے لئے لاہور پہنچا۔ تو سیدھا ان سے ملا۔ فرمانے لگے کیسے آئے۔ میں نے سب ماجرا سنایا۔ مجھے گھر لے گئے۔ اور مجھے اپنی قمیص اور پتلون دی۔ کیونکہ میرے کپڑے پھٹے ہیں۔ یہ آپ ساتھ ہی لے جائیں۔ پتلون اور قمیص ابھی تک میرے پاس ہیں جب جمعہ پہنتا ہوں۔ تو میرے دوست کہتے ہیں۔ کہ خادم مصطفےٰ!

یہ تو پوشاک تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے جد امجد بابر کی فوج کے سپہ سالاروں میں سے ایک تھے۔ جب مغلیہ خاندان کو زوال آیا۔ تو ان کے پردادا نے درزگری کا کام سیکھا۔ اب بھی ان کے والد ماجد مرزا اللہ داد خاں مد درزی میں بہت ماہر ہیں ہیں مرزا عبدالرشید صاحب کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر منتخب کرتا ہوں۔

عصمت فروشی

دُنیا میں جہاں بھی گیا۔ ہر ایک ملک میں عصمت فروشی عام ہے خواہ اس ملک میں عصمت فروشی قانوناً ممنوع ہی کیوں نہ ہو۔ عصمت فروشی کی ابتدا تب سے ہوئی۔ جب سے انسان عالم وجود میں آیا۔ جب انسانی سماج میں کوئی لالچ وغیرہ نہیں تھا۔ تو مرد اپنے زور بازو سے عورت کی عصمت دری کیا کرتا تھا۔ مگر جب مذہبی عقائد انسانی سماج میں آنے شروع ہوئے۔ تو عصمت فروشی کو ترقی ملی۔ مذہب والوں نے محبت کی دیوی کا نام زہرہ رکھا۔ ناچ کی دیوی کو سیریز خوبصورتی کی دیوی کا نام وینس رکھا۔ اس دیوی کو راقم الحروف نے سسلی میں دیکھا۔ اس کے بعد روم میں بھی دیکھا

اور سب سے جو اچھی دیوی تھی۔ اس کو میں نے جرمنی میں دیکھا اس کا نام وینس ڈی میلو (Venus demilu) ہے۔ یہ خوبصورتی کی دیوی سنگ مرمر کی بنی ہوئی دو ہزار سال پرانی ہے۔ اس کی لمبائی ۲۵ انچ کمر ۳۵½ انچ سینہ ۳۵½ انچ کولہے اور اس کا وزن چار سو پونڈ ہے۔ دوسرے سسلی میں وینس اینا ڈاؤ سائن (Venus AnaDyo) کی دیوی دیکھی۔ جو کہ تین سو سال قبل مسیح بنائی گئی تھی۔ اس وقت یہ بت سارا کیوس (Syracuse) جزیرہ سسلی جو کہ اٹلی کی مملکت میں ہے۔ کے میوزیم میں پڑا ہوا ہے۔ تیسری سنیڈین وینس (Cnidion Venus) جس کو ایک یونانی کوبج گر بت تراش پرکزا ئٹیکس (anitekus) نے بنائی تھی۔ اس وقت اٹلی میں ویٹاکین (Vatacan) کے عجائب گھر میں پڑی ہوئی ہے۔ چوتھی روم میں ہے۔ جس کا نام وینس آف کرین (Venus of cryene) ہے۔ یہ بھی ایک یونانی کوجگر نے چار سو سال قبل مسیح بنائی تھی۔ پانچویں بھی ایک یونانی کوجگر نے بنائی تھی۔ جس کا نام میڈی سی وینس (Medicie Venus) ہے چھٹی کیپٹولائن وینس (Capto line Venus) ہے یہ آگسٹائن (Augistan) کے وقت کا بت ہے۔ قارئین اگر

سب دیویوں کو اکٹھا کر دیا جائے۔ اور جونہی ان کو دیکھا جائے۔ تو کسی محرک دوائی کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ نہ ہی نشہ جام عشق بنانے کی ضرورت۔ اور نہ ہی پریڈرائن (Prendrine) کے انجکشن لگانے کی ضرورت ہے۔ یہی کوئی مقوی باہ چیز کھانے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی چنگاری ٹانک ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ چنگاری ٹانک ہمدم صحت دواخانہ گول چکر اوکاڑہ کی تیار کردہ بے نظیر ٹانک ہے

میں اور میرا دوست منظور علی صاحب جب ہم سسلی میں وینس اینا ڈائی مائین کو دیکھ رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ اس کا تن سر سے جدا تھا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے۔ پیارے میں آپے سے باہر ہو گیا ہوں۔ میں نے عرض کی۔ کہ دل تو میرا بھی خراب ہو گیا ہے۔ اس نے پوچھا کیا کیا جائے۔ میں نے جواب دیا۔ ٹھنڈے پانی سے غسل فرمایا جائے۔ اگر پھر بھی افاقہ نہ ہو۔ تو ہاتھ کی صفائی ورنہ شہر چلتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا۔ قارئین دیکھا آپ نے مذہبی رہنماؤں نے بت کدوں میں کیا کیا طریقے عصمت دری کے بنا رکھے ہیں۔ سسلی میں ایک پھولدان دیکھا۔ جو کہ چار ہزار برس پرانا تھا۔ یہ سسلی کے ایک پہاڑ ماؤنٹ کارینو (Mount Carno) کے غار میں سے نکلا۔ یہ زمین سے ایک سو نوے فٹ گہرائی پر پڑا تھا۔

پنیتیس انچ لمبائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ چار ہزار سال پہلے کے بھی لوگ اچھی زندگی بسر کرتے تھے۔

مذہب کی آڑ میں۔ مذہبی رہنماؤں نے مذہبی قانون کے مطابق عورتوں پر فرض کر دیا۔ کہ ہر عورت زندگی میں ایک بار یا متعدد بار اپنے آپ کو مذہبی پیشوا کے حوالے کرے۔ بابل کی تہذیب میں ہر امیر اور غریب عورت کو زندگی میں ایک مرتبہ زہرہ دیوی کے مندر میں ضرور جانا پڑتا تھا۔ عبادت گاہیں عصمت فروشی کا اڈہ بن گئیں۔ اب ہندوؤں کے مندروں میں شیو لنگ کی پوجا ہوتی ہے۔ شیو لنگ کی عورتیں بھی پوجا کرتی ہیں۔ اور اولاد مانگتی ہیں۔ قارئین آپ نے کبھی شیو لنگ دیکھا ہے۔ اگر نہیں دیکھا۔ تو گورو گوبند سنگھ جی کے شعر پڑھیئے۔ ؎

شیو لنگ کو کیوں پوجت ہو۔ شیو لنگ خود لٹکا ئے
کوئی نو سو سال کے اندر۔ جسم سیس نوا ئے
چڑیں کے ساتھ باز لڑاؤں تبھی گوبند سنگھ نام کہاؤں

اسی طرح عصمت فروشی ایک سماجی کاروبار بن گیا۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں یورپ میں عصمت فروشی بہت نفع مند کاروبار تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں کلکتہ میں گورے سپاہیوں کے لئے عورتوں کا بندوبست کیا گیا۔ بعد میں یہ کاروبار اتنا بڑھا۔ کہ جرمنی کے بادشاہ

شاہ فریڈرک اول نے بارھویں صدی میں عصمت فروشی کی سزا ناک کاٹنا رکھی۔ سترھویں صدی تک اس قانون کی رو سے کئی عورتیں سزا یافتہ ہوئیں۔ جاپان میں عصمت فروشی سب سے زیادہ تھی۔ مگر جاپانی حکومت اب اس کاروبار کو تقریباً ختم کر رہی ہے۔ راقم الحروف مودبانہ حکومت سے عرض کرتا ہے۔ کہ گندے پانی کو تب تک نہ روکیں۔ جب تک اس کے نکاس کا کوئی اور راستہ نہ مل جائے۔ ورنہ یہ گندہ پانی صاف پانی کو بھی گدلا کر دے گا۔ میرے تجربہ میں آیا ہے۔ کہ جن ممالک نے اس کو بند کیا۔ وہ تمام ممالک خراب ہو گئے۔ ویسے آپ کی مرضی۔

ہے تیری رضا بھیک دے یا نہ دے
تیرے در پہ آئے صدا کر چلے۔

مذکورہ بالا وجوہات کے علاوہ اور بھی وجوہات ہیں۔ جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

عصمت فروشی کی پہلی وجہ افلاس ہے۔ کہتے ہیں۔ ایک بہت بڑا عرب سردار ایک چھوٹے زمیندار کی لڑکی پر عاشق ہو گیا۔ اس عرب سردار نے اس دوشیزہ پر ہر قسم کے ڈورے ڈالے۔ مگر وہ نہ مانی۔ چند ماہ بعد عرب کے اس علاقے میں قحط پڑ گیا۔ وہ دوشیزہ لڑکی

اس عرب سردار کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ ایک ہزار اشرفی اور کچھ سو من اناج مجھے دیں تاکہ میں اپنے کنبے اور چوپاؤں کو محفوظ کر سکوں عرب سردار نے اس کے مطالبات پورے کر دئیے۔ سردار نے اس کو ہمبستر ہونے کو کہا۔ دوشیزہ مان گئی۔

جونہی سردار نے دوشیزہ کو برہنہ کیا۔

دوشیزہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ میرے سردار میں بالکل پاکیزہ ہوں۔ خدا کے واسطے میری عصمت دری نہ کریں۔ سردار نے اسے چھوڑ دیا۔ یہ نیک عمل عرب سردار کے ایک آڑے وقت کام آیا۔ جس کا ذکر آئے گا۔ دوسری وجہ عاشقی اور معشوقی یعنی محبت مرد عورت پہ اور عورت مرد پہ عاشق ہو جاتی ہے۔ مرد عورت کو مختلف قسم کے فریب دے کر اغوا کر کے لے جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا مال وغیرہ کھا کر اس کو جواب دے دیتا ہے۔ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ مرد پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو عصمت فروشی کی طرف رجوع کروا دیتا ہے۔ تبھی تو کسی نے کہا ہے۔

سن او حسینہ نازنین
تجھے چاہئے یہ کبھی نہیں
کہ ہمیشہ آہ و بکا کرے ۔۔۔ مجھ جالس میں تو رہا کرے

یہ کہ مرد ہیں بڑے بے وفا

ہیں ایک کا کبھی دم بھرا

سائی نو مور لیڈیز ۔ سائی نو مور لیڈیز

Sigh no more ladies Sigh no more ladies

ریولٹ اگینسٹ ایگریشن

(Revolt against agression)

تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ ضرورت سے زیادہ کسی کے احساسات کو دبانے سے بغاوت پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک بڑا خاندانی مرد دوسری خاندانی عورت سے شادی کر لیتا ہے۔ مرد بالکل تندرست ہوتا ہے۔ اور عورت بھی نہایت خوبصورت ہوتی ہے۔ مرد عورت کے احساسات کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اس پر ناجائز رعب ڈالتا ہے۔ انسانی فطرت رعب کی خواہاں ہے۔ ہر ایک مرد یہ چاہتا ہے کہ میرا رعب ہو۔ لہذا عورت بھی یہی چاہتی ہے۔ عورت کوئی کم حیثیت والا نوکر رکھ لیتی ہے۔ اس پر ویسا ہی رعب ڈالتی ہے جیسے کہ اس کا خاوند۔ قارئیں آپ ہی بتائیں۔ اس قسم کا زنا اور عصمت فروشی کیسے رد کی جا سکتی ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان کی نظر ایک چیز سے اکتا جاتی ہے۔

تو مرد ایک مسٹریس رکھ لیتا ہے۔ جو کہ بچوں کو کھلاتی ہے۔ تنخواہ بیوی کے ذریعے بہت کم دی جاتی ہے۔ مگر مرد چوری چھپے اس کو بہت خوش رکھتا ہے۔ اس معاملے کو دیکھ کر بیوی موٹر ڈرائیور کو پسند کر لیتی ہے۔ یورپ میں جب شوہر اور بیوی آپس میں خفا ہو جاتے ہیں۔ تو شوہر اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ کہ "میں اس موٹر ڈرائیور کو نکال دوں گا"۔ وہ اسے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔ "میں اس مسٹریس کو نکال دوں گی"۔ ہندوستان میں عموماً "منڈو" رکھ لیتے ہیں۔ منڈو کا مطلب ولایت کا موٹر ڈرائیور۔ منڈو کا کام صرف گائے دوہنا ہوتا ہے۔ اسی لئے رعب رکھنے کی خاطر بڑے بڑے جابر انسان ایک معمولی عورت سے تعلق پیدا کر بیٹھتے ہیں۔ اور خاندانی عورت کے نزدیک نہیں جاتے۔ جیسے نپولین کا تعلق ایک دھوبن سے تھا۔ ہٹلر نے ایک سکول ماسٹر کی لڑکی ایوا براؤن (Eva Braun) رکھی ہوئی تھی۔ اتا ترک نے طاقت پکڑتے ہی پہلا یہ کام کیا۔ کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ جب تک معدہ کام کرتا رہے گا۔ بھوک لگتی رہے گی۔ معدہ خراب بھوک غائب۔ زنا مفقود۔ مگر لارڈ کچنر جو کہ کبھی ہندوستان کا کمانڈر انچیف تھا کسی عورت کی طرف دیکھنا تو درکنار کسی غیر عورت سے ہاتھ بھی نہیں

ملاتا تھا۔ مگر ارسطو نے سکندر کو اس کے ساتھ اس کی معشوقہ لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ ارسطو نے سکندر اعظم کو منع کر دیا۔ کہ اپنی محبوبہ کو جب لڑائی کے لئے جایا کرو۔ تو مت لے جایا کرو۔ سکندر نے اپنی محبوبہ کو کہا۔ کہ تم ارسطو پر محبت کے ڈورے ڈالو۔ اس کی محبوبہ نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ سکندر ان دونوں کو اکیلے چھوڑ کر چلا جاتا۔ اور سب کچھ چھپ کر دیکھتا رہتا۔ ایک روز ارسطو گھوڑا بنا ہوا تھا۔ اور وہ معشوقہ اس پر سوار تھی۔ سکندر نے آواز دی۔ کہ استاد کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ میری معشوقہ کے گھوڑے بنے ہوئے ہیں۔ ارسطو کچھ شرما گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ سکندر تم اپنی محبوبہ کو لڑائی میں لے جا سکتے ہو۔

پانچویں وجہ یہ ہے۔ کہ مجبوراً اور شرافت کی وجہ سے عصمت دری ہوتی ہے۔ کھاتا مارنا کبھی رُک نہیں سکتا۔" یعنی کھاتا دھندا ہی رہے گا۔" زنا ہوتا ہی رہے گا۔ برّاعظم یورپ میں جتنا زنا ہوتا ہے۔ بھارت اور پاکستان میں اتنی حاملہ کی صفائی ہو جاتی ہے۔ معاملہ نیچے کا نیچا ہی رہ جاتا ہے۔ (اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات) "جیسی نیت ویسی مراد"

چھٹی وجہ یہ ہے۔ کہ عصمت فروشی کو مخلوط تعلیم نے بھی فروغ دیا۔

ساتویں وجہ جنگ ہے۔ جب کوئی قوم دوسری قوم پر فتح پالیتی ہے

تو فاتح قوم کے سپاہی مغلوب شدہ قوم کی بہو بیٹیوں کی بری طرح عصمت دری کرتے ہیں۔ جیسے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہندوستانی سپاہیوں نے عراق میں بد تہذیبی دکھائی۔

آٹھویں وجہ۔ حرص اور طمع۔

؎ انسان نہ ہو ذلیل زمانے کے ہاتھ سے
ذلت کسی کو نہ ڈبوئے ہوائے حرص (ذوق)

نویں وجہ انقلاب جیسے اناطولیہ (ٹرکی) میں ہوا۔ اس کے بعد جب پاکستان بنا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمان عورتیں زبردستی رکھ لیں۔ اور مسلمان سکھ اور ہندو عورتیں زبردستی چھین کر لے گئے۔ کیا بدتہذیبی ہے۔

ڈوگر

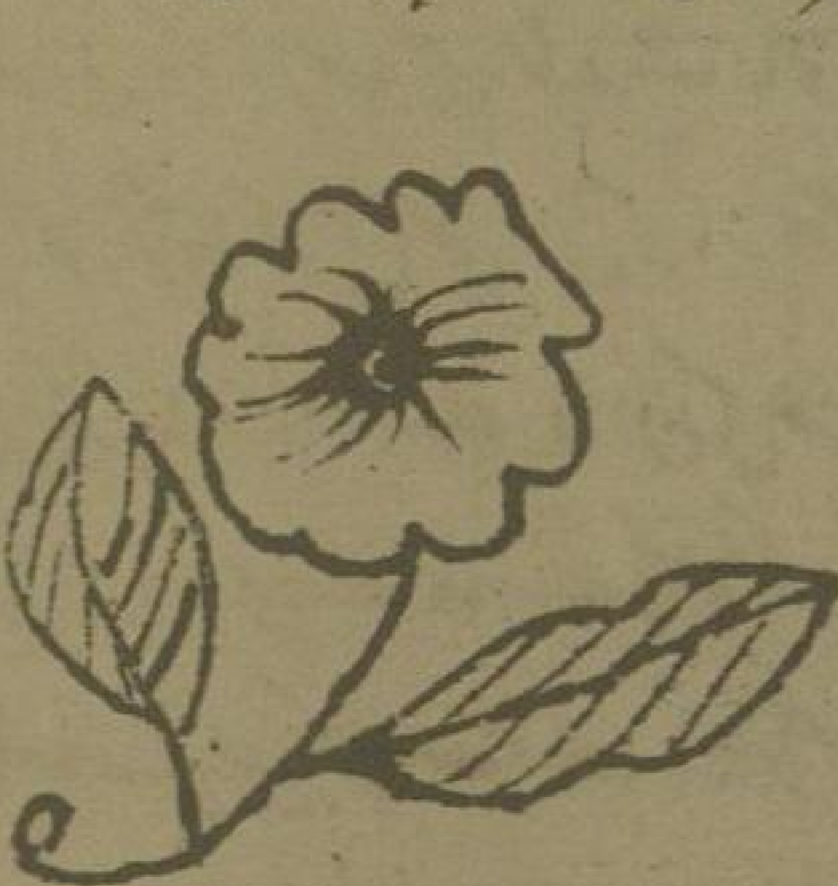
میرے پیارے دوست سردار محمد صدیق صاحب ڈوگر ولد سردار محمد حسن صاحب ڈوگر اور سردار محمد رشید صاحب ڈوگر ولد سردار اللہ صاحب آپس میں چچیرے بھائی تھے۔ اور شاہ لکا کے جاننے والے تھے۔ یہ ڈوگر قوم راجہ اندھول کی اولاد سے ہیں۔ جب امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا۔ تو یہ پیاری قوم خوف کی وجہ سے کشمیر چلے گئے۔ وہاں ڈوگروں کا بہت اثر تھا۔ اب کشمیر میں ڈوگروں کا راج ہے۔ رشتے ناتوں کی وجہ سے اپنی سادگی کی وجہ سے ڈوگروں ہی میں مل جل گئے۔ لہذا ڈوگر کہلائے۔

گو یہ راجپوت۔ جب کشمیر میں بہت سا قحط پڑا۔ تو یہ قوم کشتواڑ سے
ہوتی ہوئی تبت پہنچی۔ تبت سے چین۔ چینیوں نے ان کا نام خانہ بدوش
رکھا۔ خانہ بدوش کے لفظ سے کچھ گھبرائے۔ کہیں آل نہ پڑ جائے سب یہ
تبت سے نصور میں آگئے۔ اور وہاں پر سید صادق حسین سجاد صاحب
کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور مسلمان ہو گئے۔ سید صادق حسین صاحب ان
کو سردار کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ پہلی قوم ہے۔ جو ان کے
ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ یہ قوم بھی جس بے مثال ہے۔ اب بھی جہاں جہاں یہ
قوم آباد ہے۔ اگر ان میں کوئی جھگڑا یا فساد ہو جائے۔ تو آپس میں
ہی نپٹا لیتے ہیں۔ تھانے کا رخ نہیں کرتے۔ دستار بندی کا رواج اب
بھی ہے۔ میراثی رکھے ہوئے ہیں۔ جیسے ان کے آباؤ اجداد رکھا کرتے
تھے۔ جیسے ہندو برہمن کی پوجا کرتے ہیں۔ ویسے ہی یہ مسلمانوں کے
مولویوں کی عزت کرتے ہیں۔ پاکستان کے دوست ہیں۔ نصور سے فرید بھی
آباد کیا۔ اور وہاں پر حکمرانی کی۔ اب بھی محمد شاہ والوں سے اچھے تعلقات
ہیں۔ ملنس قوم جو کہ ان کو تنگ کرتی تھی۔ ان کو مار بھگایا۔ اکبر سید محمد حسین
صاحب والے حجرہ کے ہمیشہ تابعدار رہے۔ اور ان کی عزت کرتے رہے
حکیم شاہ صاحب بھی ان کو سردار ہی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ انگریزوں
کے زمانے میں ان کا مصنف معاملہ صاف رہا۔ پاکستان بننے کے

بعد یہ قوم پاکستان میں مختلف جگہوں پر آباد ہوئی۔ سب سے زیادہ افراد شاہ یکّا میں آباد ہیں۔ نہ فساد کراتے ہیں۔ نہ چوری کرتے ہیں۔ نہ ڈاکہ ڈلواتے ہیں۔ اور نہ ہی رشتہ گیر ہیں۔ ابھی ابھی سردار نور احمد صاحب قبلہ فوت ہوئے ہیں۔ بہت نیک اور دل ہمدرد تھے۔ ان پیرزادوں سلام ان کے بیٹے سردار محمد حسین صاحب کی دستار بندی ہوئی ہے۔

اس قوم میں ایک چیز جو میں نے دیکھی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ غیر کو یہ پتہ ہی نہیں چلنے دیتے۔ کہ فلاں شخص کی فلاں شخص سے رنجش ہے۔ لہٰذا محمد رشید صاحب ڈوگر اور سردار محمد صدیق صاحب ڈوگر میرے ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

شاہ یکّا جیسا گاؤں قصبہ یا شہر آپنے نہیں دیکھا ہوگا یعنی اس قصبہ نے چار مربع زمین گھیری ہوئی ہے۔ دو مربع میں آبادی ہے اور دو مربع قبرستان کے لئے چھوڑ رکھی ہے۔



سیّد احمد علیشاہ گیلانی سیّد مبارک علیشاہ

ان کے سب سے بڑے سید محمد غوث جیلانی بغداد سے اوچ جو کہ ریاست بہاول پور میں واقع ہے۔ میں تشریف لائے۔ سید محمد غوث شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پڑپوتے تھے سید محمد غوث کے لڑکے سید مبارک جیلانی صاحب لاہور تشریف لے گئے شیخ کے ذوبیہ قریشی خاندان ان کا مرید ہے۔ سنگھرہ میں سید جانی شاہ صاحب تشریف لائے سید احمد علیشاہ صاحب بی بی پور سنگھرہ کے قریب رہتے ہیں۔ میرے پیارے مہربانوں میں سے ہیں۔ آج کل ادکاڑہ میں کوٹھی بنوا رہے ہیں۔ بہت خصائص انداز سے نصیحتیں کیا کرتے ہیں۔ خوش رہیں سلامت رہیں۔ میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر بھی مقرر کرتا ہوں۔

میاں احمد حسن لودلہ

یہ لودلہ قوم محمد بن قاسمؒ سے پہلے بطور تبلیغ سندھ پر ان کا جہاز لگا۔ تو والئے سندھ نے ان کو تنگ کیا۔ اس پہ محمد بن قاسمؒ کو

اس راجہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ بودلہ۔ اصل لفظ بوئے دل تھا ہے۔ یعنی ان کے بزرگ دوسرے کے دل کی بات بتا دیتے تھے۔ یہ نیک خاندان ہے اس قوم کی شرافت سادگی اور نیکی اب بھی مشہور ہے۔ انہوں نے مجھ سے میری ایک کتاب خریدی۔ لیکن ان کے کسی دوست نے خط لکھا۔ کہ خادم مصطفےٰ آپ کو اپنی تصنیف وی۔ پی کرے گا۔ مجبوراً میں نے وی۔ پی کر دیا۔ مگر انہوں نے وی۔ پی واپس نہیں کیا۔

لہٰذا میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرتا ہوں۔

چوہدری اسد اللہ خاں

برادر چوہدری ظفر اللہ خاں علیہم

چوہدری اسد اللہ خاں صاحب دلی ہمدرد ہیں۔ ایک دفعہ رات کے بارہ بجے ایک شخص نے ان کے مکان پہ آواز دی۔ وہ شخص جس نے آواز لگائی تھی۔ وہ ایک ریلوے کا ملازم تھا۔ اور احمدیہ جماعت کو خوش گالیاں دیا کرتا تھا۔ جونہی اس نے آواز لگائی

تو چوہدری صاحب نے بالائی منزل کی کھڑکی کھول کر آواز دی کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ چوہدری صاحب میں تو آپ کو جانتا ہوں مگر آپ مجھے نہیں جانتے۔ اگر اس وقت میرا کام نہ ہوا۔ تو میرا سارا کنبہ ہو کا مر جائے گا۔ چوہدری صاحب نے جواب دیا۔ کہ دیکھئے جب میں آپکو جانتا نہیں۔ تو میں آپ کے ساتھ کیسے جاؤں۔ چوہدری صاحب کی اہلیہ محترمہ یہ سب باتیں سن رہی تھیں۔ انہوں نے ان کو کہا دیکھئے چوہدری صاحب کسی کے کام نہیں کرتے۔ آپ نہ بھی جائیں گے۔ تو اس کا کام ہو جائے گا۔ آپ اس کے ساتھ جائیں اور اس کا کام کر کے آئیں لیکن وہ شخص احاطے سے باہر جا چکا تھا۔ چوہدری صاحب نے باواز بلند اس کو پکارا اور اس کو کہا۔ میں بول رہا ہوں۔ ٹھہرو۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ اسی طرح سونے والے کپڑوں میں ملبوس اس کے ساتھ این۔ ڈبلیو۔ آر کے مینجر جو کہ چوہدری صاحب کا ذاتی دوست تھا۔ اس کے ہاں چل دیئے۔ رات کا ایک بج چکا تھا۔ مینجر جگایا گیا۔ چوہدری صاحب نے اس سے کہا۔ کہ دیکھئے۔ کہ اس شخص سے بے انصافی ہوئی ہے۔ آپ اس کا کام کر دیں۔ اگرچہ میں سارا کیس پڑھ چکا ہوں چونکہ آپ میرے دوست ہیں۔ لہذا میں نہیں چاہتا۔ کہ عدالت میں میں آپ کے خلاف بطور وکیل کھڑا ہو جاؤں۔ اس نے اسی وقت اس

سلام کو کر دیا۔ جب ہم باہر آئے۔ تو اس نے کہا۔ کہ چوہدری صاحب دیکھئے۔ میرے باقی فرقہ والوں سے بہت تعلقات ہیں۔ اور میرے ساتھ کسی نے بھی چلنا گوارا نہیں کیا۔ لہذا میں صبح بیعت کا خط لکھ دوں گا۔

چوہدری صاحب مناظر بھی بہت اچھے ہیں۔ نام کے اسد اللہ خاں بھی ہیں۔ واقعی اللہ کے شیر ہیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ میں سنائے دیتا ہوں جنوری ۱۹۳۴ء کو آپ لاہور سے اپنی والدہ صاحبہ کو ملنے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ سیکنڈ کلاس کی سیٹ ریزرو کرائی گئی۔ اور آپ دروازے کی طرف سر رکھ کر سو گئے۔ جب گاڑی چلی۔ تو انجن کی کنکریاں اور گرد سے بچنے کے لئے آپ نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ اور جہاں آپ کا پہلے سر تھا۔ وہاں پاؤں کر دئے۔ جب گاڑی بٹھنڈہ کے قریب پہنچی۔ تو انہوں نے اپنا کمبل اپنے اوپر لینا چاہا۔ مگر کمبل اوپر کو نہ مڑ سکے آپ نے اٹھ کر دیکھا۔ کہ آپ کے دونوں پاؤں کے درمیان دو فٹ کا تیز دھار خنجر آپ کے کمبل کو چیر کر سیٹ کے گدیلے میں گھسا ہوا ہے۔ بعدہ آپ نے اس خنجر کو نرمی سے نکالا۔ اور اپنے سرہانے رکھ کر آرام سے سو گئے۔ جب آپ دہلی پہنچے۔ تو چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے کہا۔ کہ اسد اللہ خاں بالکل خیریت سے آئے ہو۔ اسد اللہ خاں نے جواب دیا۔ کہ بالکل خیریت۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے دو بارہ سہ بارہ پوچھا۔ کہ بالکل خیریت سے آئے ہو؟ تو اسد اللہ خاں کو شک پڑ گیا۔ اور کہا کیا

بات ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے کہا۔ کہ رات مجھے والدہ ماجدہ صاحبہ نے ساڑھے گیارہ بجے جگایا۔ اور کہا۔ اسی وقت کسی کو بھیجو۔ کہ دو جانور صدقہ کرے۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ اسد اللہ خاں کچھ گھبرایا ہوا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ کہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ میرے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ تو میرے بچے چوہدری ظفر اللہ خاں کے حوالے کر دیئے جائیں۔ اس بات پر طرہ یہ ہے۔ کہ چوہدری اسد اللہ خاں بغیر اطلاع کئے دہلی جا رہے تھے۔ اسی وقت رات کے بارہ بجے چوہدری غلام نبی جو کہ چوہدری اسد اللہ خاں کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔ اور مختار عام بھی۔ انہوں نے اسی وقت دو جانور صدقہ کر کے یتیم خانہ دہلی میں دے دیئے۔ چوہدری صاحب سیالکوٹ مشن ہائی سکول میں پرائمری پاس کی آٹھویں تک تعلیم اسلام ہائی سکول قادیان پھر سنٹر ماڈل ڈسکہ اسلامیہ کالج میں بی۔ اے کیا فٹ بال کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ اور لیفٹ آؤٹ کھیلتے تھے۔ بیرسٹری کا کورس جو کہ تین سال کا ہوتا ہے۔ دو سال میں ختم کیا۔ ۱۹۴۹ء میں وائٹ پیپر کا کیس تیار کرنے کے لئے پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے واشنگٹن گئے۔ ۱۹۵۳ء میں جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش ہوئے۔ اور راولپنڈی سازش والے

مقدمہ میں چوہدری ظفر احمد کی طرف سے پیش ہوئے۔ میں نے ایک دفعہ چوہدری صاحب سے پوچھا۔ کہ چوہدری صاحب یہ کیس کیا تھا۔ اور اس کی نوعیت کیا تھی۔ فرمانے لگے۔ کہ یار میں نہیں بتا سکتا کیونکہ قسم کھائی ہوئی ہے۔ آپ بہت مخلص دوست ہیں۔ سلامت رہیں۔ آباد رہیں۔ میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر منتخب کرتا ہوں۔

ہٹلر

۱۹۳۹ء کے اوائل میں میں جرمنی گیا۔ جناب سر آغا خاں کی وساطت سے ہٹلر سے ملاقات ہوئی۔ جب میں ان کے ہاں پہنچا۔ تو ایک خوش الحان نے اٹھ کر مجھے ملا۔۔ اس کی نشستگاہ کے اوپر ایک قد آدم تصویر فریڈرک دی گریٹ جو کہ پروشیاد (Prussia) کا بادشاہ تھا۔ کی لگی ہوئی تھی۔ میں نے ہٹلر کے ہاتھ چومے۔ اسی اثناء میں ایک نازک اندام عورت تشریف لائیں۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ یہ ایوا براؤن (Eva Braun) تھی۔ یہ میونخ کے ایک سکول ماسٹر کی لڑکی تھی جب وہ اُنیس سال کی تھی۔ تو ہٹلر کی اس سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں ہٹلر نے اس کے لئے اور

اپنے لیے چار کرے بنوائے۔ ہٹلر کی اور بھی بہت سی دوست تھیں۔
مگر ایوا براؤن کی واقفیت کے بعد وہ کسی عورت سے نہیں ملا۔ بڑے
بڑے سیاستدانوں کا قول ہے۔ عورت کی وجہ سے جاسوسی ہو جاتی ہے
اسی وجہ سے ہر بڑا سیاستدان عورت سے گریز کرتا ہے۔ مگر عورت ہے
ماننا۔ یہ ایسے مشکل کام سر انجام دیتی ہے۔ جو مرد کے لئے مشکل کیا۔
بلکہ ناممکن ہوتے ہیں۔ ہر ہٹلر اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ اپنی قوم
کے بہت خیر خواہ تھے۔ انگریزی پارلیمنٹ کا ذکر ہوا۔ تو فرمانے لگے
۶۱۰ پاگلوں سے ایک عقلمند آدمی بہتر ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے۔
ان کا یہ اشارہ برطانیہ کی دیوان عام کی طرف تھا۔ ہٹلر کے وہم و
گمان میں بھی نہیں تھا۔ انگریز ان پر حملہ کر دیں گے۔ کیونکہ ہٹلر انگریز
کا بنایا ہوا پہلوان تھا۔ انگریز ہمیشہ کہتے رہے۔ کہ وہ جھوٹا تھا۔ مگر
ہٹلر نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ انگریز کا یہ الزام بالکل غلط ہے۔ اگر انگریز
پولینڈ سے اپنی گارنٹی حفاظت کی ضمانت اٹھا لیتا۔ تو ہٹلر یقیناً روس پر
شروع میں حملہ کر دیتا۔ ایک ایلیشن (Alsation) کتنا
کے پاؤں پر بیٹھا ہوا تھا۔!

۱۱۔ جرمن بڑی لڑاکا قوم ہے
اور جرمن انگریز کے چچا زاد بھائی ہیں۔ سٹالن نے کہا تھا۔ کہ روسی لڑا کی

قوم نہیں۔ ٹھیک ہے۔ صرف یہ قوم برف میں گھس جاتی ہے۔ اور اسی برف سے دشمن کا نیا پانچا کر دیتی ہے۔ سب سے صاف لڑنے والے جرمن نوجوان ہیں۔ انگریز لڑائی میں کبھی پیا دپی کر دیتا ہے۔ جرمن اور ترک سپاہی کبھی نہیں کرتے۔ اور صاف لڑائی لڑتے ہیں۔ جب سکھ ترکی میں پہلی جنگ عظیم میں جنگی قیدی ہو کر پہنچے۔ تو ترکی نے سکھوں کو زندہ بکرے اور دنبے دیئے۔ تاکہ وہ ان کا جھٹکا کر سکیں۔ مگر خواجہ حسن نظامی نے کہہ دیا تھا۔ کہ جھٹکا حلال ہے۔ جب ان سے میری ملاقات اوکاڑہ میں ہوئی۔ تو تب بھی اسی بات کے قائل تھے۔ میں دیکھ کر حیران ہوا۔ کرسٹلر نے چائے پی۔ کیونکہ یورپین ممالک کے لوگ چائے کا استعمال بہت کم کرتے وہ کافی اور کوکو کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ یورپ صرف آئرلینڈ اور برطانیہ میں چائے کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

حاشیہ: دنیا میں سب سے زیادہ چائے تبت کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ وہ چائے میں ستو اور مکھن ملا کر بھی پیتے ہیں۔ اس کے پٹھان اور کاشمیری زیادہ چائے کے عادی ہیں۔ انگریز میٹھی چائے پیتا ہے۔ اور کاشمیری نمکین۔ مگر مجھے نمکین چائے اور نمکین پیرو سے پسند ہے۔ عام انگریز کم از کم چھ مرتبہ چائے پیتا ہے۔ سب سے اچھی چائے جاپانی پیتے ہیں۔ بعض جاپانی تو چائے

مذہبی فریضہ سمجھ کر پیتے ہیں۔ بھکشو جب عبادت کرتے ہیں۔ تو ساری رات چائے پر گزارہ کرتے ہیں۔ ایک جاپانی جب چائے کی دعوت دے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ سارا دن کچھ نہ کچھ وقفہ کے بعد اور مختلف کھانے والی لذیذ چیزوں کے ساتھ مہمان کو چائے پینی پڑیگی۔ سب سے خطرناک چائے کانگڑہ وادی کے لوگ پیتے ہیں۔ وہ چائے کے تازہ پتے بیلتے ہیں۔ اور اس کو تانبے کے برتن میں گھوٹتے ہیں۔ اس کے بعد قلعی کئے ہوئے تانبے کے برتن میں پکاتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں۔ یہ چائے ہوگی یا کچھ اور۔ میں تو یہ چائے ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتا تھا۔ امرتسر میں قصائی چائے میں گھی اور بادام ڈال کر پیتے ہیں:۔ حاشیہ ختم

ہٹلر کے پاس ایک دفعہ آیا۔ جس کے جوتے بہت موٹے چھپے ہوئے تھے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ ہٹلر عینک لگانا پسند نہیں کرتا تھا۔ کھانے میں چائے۔ "کھانے کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے۔ کہ انگلا میں پینے کا لفظ نہیں ہے" اور جانوروں کتوں کا شوقین تھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا۔ کہ آپ یہودیوں کے کیوں مخالف ہیں۔ انھوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ جواب دیا۔ کہ ان میں اور کوئی نقص نہیں۔ صرف

غلط افواہیں پھیلاتے ہیں۔ اور بدعہد ہیں۔ میں نے عرض کی۔ کہ انگریز
آپ کے چچیرے بھائی ہیں۔ ان میں بھی یہودی رہتے ہیں۔ انہوں نے
کہا۔ یہ مسئلہ میں آج تک نہ سمجھ سکا۔ میں نے کہا۔ میں سمجھا دیتا
ہوں۔ انگریزوں نے تمام امیوزمنٹ یعنی تفریحی تجارت
یہودیوں کو دے رکھی ہے۔ مثلاً سینما تھیٹر، سرکس، دودھ، پرچون
کپڑا اور جوتے علیٰ ہذالقیاس۔ مگر ملکی دماغ کے متعلق رکھنے والا یہودیوں
کے پاس ایک بھی کارخانہ نہیں۔ ہٹلر یہ سن کر میری عقل کی داد
دینے لگا۔ فرمانے لگے مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے عرض کی۔ بڑوں سے
بڑی غلطی ہوا کرتی ہے۔ دوسرے یہودیوں میں احساس نہیں
احساس تو میرے بھائی کے دماغ میں بھی نہیں۔ ایک یہودی کا سو روپے
کا نقصان ہوتا ہو۔ وہ اپنا سو روپیہ بچائے گا۔ مگر ملک ضائع ہونے
دے گا۔ بڑی معقول بات ہے۔ مگر یہ جتنے بھی یہودی ہیں۔ وہ سب کے
سب بھلے اور اچھے آدمی ہیں۔ اور ان یہودیوں کو سب سے پہلے
روسیوں نے بھیڑوں کی طرح نکالا۔ پھر روم نے پھر شام سے بخت نصر نے
بھگایا۔ اور یہودی کاشمیر میں آباد ہوا۔ وہاں بھی مسلمان ہوا۔ پھر جرمنی
سے۔ مگر کمال انگریز کی عقل مندی۔ اس کے ملک میں عام یہودی ہیں۔
حتیٰ کہ ان کے وزیر اعظم بھی یہودی ہوئے۔ ہٹلر کی اس بات کا مجھے لندن

میں اس وقت احساس ہوا۔ جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی حکومت
برطانیہ نے تمام لندن کے بچوں کو باہر چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھیج دیا۔
لندن میں تمام دودھ کا کاروبار یہودیوں کے قبضے میں تھا۔ اور یہ
جب بچے لندن سے باہر چلے گئے۔ تو دودھ فروشوں کا کاروبار کم ہو گیا
انہوں نے یہ پراپیگنڈا شروع کیا۔ کہ ہمارے بچے تو بہت ہیں۔ اللہ بہاں
کونسی بمباری ہو رہی ہے۔ ہم تو بچوں کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ اس کا اثر
یہ ہوا۔ کہ بچے باہر سے پھر لندن آنا شروع ہو گئے۔ گورنمنٹ بچے باہر
بھیجے۔ والدین واپس منگوا لیتے۔ حتیٰ کہ وزیر داخلہ کو پارلیمنٹ میں
یہ بیان دینا پڑا۔ کہ اگر یہودی غلط افواہیں پھیلانے سے باز نہ آئے
تو ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ پھر بچے دوبارہ لندن
آنا بند ہو گئے۔ پچھلے دنوں روس کے بہت بڑے لیڈر خروشیف
نے کہا تھا۔ کہ یہودی آج تک ایک قوم نہ ہو سکی۔

قرآن پاک میں آیا ہے۔ کہ یہودیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا
جائے گا پھر ان کو مارا جائے گا۔ دیکھئے فلسطین میں اکٹھے تو ہو گئے
ہیں۔ تیل پاٹ معلوم نہیں کب ہوتا ہے۔ جرمن قوم کو ہٹلر سے اتنی
محبت تھی جتنی جاپان اور انگریز قوم کو اپنے بادشاہ سے۔ جرمن قوم
بہت سمجھدار قوم ہے۔ میں ہٹلر سے جرمن کی فیوررر آپ انگریزوں سے

کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ پہلے یہ کہ ڈانزنگ کو راستہ دو۔ دوسرے دس کروڑ پونڈ قرضہ تیسرے انگریز گورنمنٹ سے حفاظت کا وعدہ واپس لے لیں۔ یعنی ہٹالیں۔ چوتھے جرمن سے پہلی جنگ عظیم میں جتنی نوآبادیات چھینی گئی تھیں۔ وہ واپس کی جائیں۔

جرمن قوم سیدھی بھی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے۔ مسولینی اور ہٹلر نے جنرل فرانکو کی اسلحہ۔ فوج اور جدید آلات سے مدد کی۔ مگر انگریز نے بھی جنرل فرانکو کی مدد کی۔ اور اس طریقے سے کی، کہ جنرل فرانکو ابھی تک ان کا ممنون ہے۔ پرتگال اور بلجیم سے ہتھیار خریدے گئے۔ اور جنرل فرانکو کو اپنی ملکوں سے پہنچائے گئے۔

برطانیہ کی تمام پبلک نے سپین کی کمیونسٹ گورنمنٹ کو روپیہ بھی بھیجا۔ اور رضاکار بھی۔ یہ ہے۔ صفائی۔ اسی وجہ سے چیمبرلین نے جو کہ اس وقت برطانیہ کا وزیر اعظم تھا۔ اعلان کیا۔ کہ ہٹلر اور مسولینی نے غلط گھوڑے پر شرط لگائی۔

حاشیہ: سپین کی خانہ جنگی کے دوران میں ففتھ کالومسٹ کا لفظ ایجاد ہوا۔ جنرل فرانکو نے اعلان کیا تھا۔ کہ اس وقت میری فوج کے چار کالم لڑ رہے ہیں۔ اور پانچواں کالم دشمن کی صفوں میں کام کر رہا ہے۔ سپین کی گورنمنٹ نے

ایک آدمی پکڑا۔ جس پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا۔ جب اس سے پوچھا گیا۔ کہ تمہارا نام کیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا۔ "ففتھ کالومیٹ" لفظوں کی ایجاد ایسے ہی ہو جاتی ہے۔

ٹوڈی کا مولانا ظفر علی خاں مرحوم۔ "ففتھ کالومیٹ" جنرل فرانکو دیے کھانہ اور وہم سنگھ المعروف محمد سنگھ آزاد۔ بجیین ہو گیا۔ میاں افتخار الدین کا جو رائج نہیں ہوا۔ بنہ بیں گیا بچپن ہو گیا۔ اور "کنٹومنیٹ" کا لفظ شیخ نیاز علی تھانیدار کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ ہیرن سابقہ سپرنٹنڈنٹ پولیس بہت دیانتدار تھا۔ اور مقررہ وقت سے زیادہ کام کیا کرتا تھا۔ نہ رشوت لیتا تھا۔ نہ لینے دیتا تھا۔ ماتحت عملہ بہت تنگ آ گیا۔ جب کسی کا ہیرن صاحب سے کام کروانا ہوتا۔ تو میرے چچا نیاز علی جوان کے ریڈر تھے۔ اردلی کو کہتے کہ جاؤ بھئی فلاں شخص کو باہر مل لو۔ جب وہ روپیہ لے کر واپس آتا۔ تو نیاز علی صاحب اردلی سے پوچھتے۔ کہ بھئی کنٹومنیٹ ہو گیا۔ اگر اردلی کہتا۔ کہ ہاں کنٹومنیٹ ہو گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا۔ کہ مقررشدہ رقم مل گئی۔ دو چار روز کے بعد ہیرن صاحب نے پوچھا۔ کہ یہ کنٹومنیٹ کیا بلا ہے؟ میرے چچا نے جواب دیا۔ کہ کنٹونمنٹ کا غلط لفظ ہے۔ مگر ہیرن صاحب سمجھ گیا۔ اس کے بعد ہیرن صاحب نے بھی یہی لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تمام ضلع گورداسپور میں یہ لفظ عام ہو گیا۔ پاکستان بننے کے بعد ضلع گورداسپور کے لوگ جہاں جہاں

آباد ہوئے۔ وہاں عام ہوا۔ اب اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد یہ لفظ تمام دنیا میں عام ہو جائے گا۔ حاشیہ ختم ہوا۔

ہٹلر کی آواز میں ہمدردی پائی جاتی تھی۔ اور واقعی مخلص تھا۔ جب اس نے روس پر حملہ کیا۔ تو ہٹلر نے دو باتوں کا اعلان کیا۔ پہلے یہ کہ روس میرے اور گرد گھیرا ڈال رہا ہے۔ یہ واقعی ٹھیک تھا۔ کہ رومانیہ۔ بلغاریہ اور فن لینڈ پر روس نے حملہ کر دیا تھا۔ دوسری بات یہ کہی۔ کہ روسیوں نے میرے خدا کو قید کر رکھا ہے۔ لہٰذا میں اس کو چھڑانے چلا ہوں۔ (لیکن خدا کو چھڑاتے ہوئے خود ہی پھنس گئے۔ اور ہٹلر کو یہ علم نہیں تھا۔ خدا نے روسیوں سے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ میں روس میں نہیں جاؤں گا) سٹالین جو اس وقت روس کا وزیر اعظم تھا۔ نے جواب دیا۔ کہ میرا خدا تیرے اس خونی خدا سے بچائے۔ جب جرمن فوج ماسکو کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ تو ہٹلر نے اعلان کیا۔ کہ میں نپولین والی غلطی نہیں دہراؤں گا۔ اس پر مولوٹوف جو اس وقت روس کا وزیر خارجہ تھا۔ نے جواب دیا۔ کہ پہلے نپولین نے تو ماسکو دیکھ لیا تھا۔ مگر تمہیں اور فوج کو ماسکو دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوگا۔ بات صحیح نکلی۔ دوران جنگ ایک جرمن آبدوز کشتی نے ایک انگریزی جنگی جہاز جو کہ دریائے نو دہ

کے دہانے پر محفوظ جگہ پر ٹھہرایا ہوا تھا۔ تارپیڈو سے غرق کر دیا۔ جہاز کا ٹیونک سا پھٹنے سے جہازی سپاہیوں کو سمندر سے نکلنا مشکل ہو گیا کیونکہ رات کے وقت وہ دکھائی نہ دیتے تھے۔ جرمن آبدوز کشتی صحیح و سلامت کیل کی بندرگاہ پر جا پہنچی۔ جہاں ہٹلر بہ نفسِ نفیس اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی آبدوز کشتی کا کپتان اترا۔ ہٹلر نے اسے آئرن کراس دیا۔ جو اس وقت جرمنی فوج کا سب سے بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ جواں مرد ہمیشہ جواں مردی کی داد دیتا ہے اسی روز مسٹر ونسٹن چرچل نے جو کہ اس وقت برطانیہ کا وزیر اعظم تھا۔ اعلان کیا۔ کہ ہم اس دشمن کے اس بہادرانہ کارنامے کی داد دیتے ہیں۔ اگر چرچل کی جگہ راقم الحروف یعنی خادم مصطفےٰ ہوتا۔ تو یہ کہتا۔ کہ اگر یہ کپتان ہماری بحری فوج کا کپتان ہوتا۔ تو ہم اس کو وکٹوریہ کراس دیتے۔ کہتے ہیں۔ کہ جب نپولین روسیوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ تو دوران جنگ میں نپولین کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کے کچھ فاصلے پر ایک روسی بم پھٹا۔ جس کی گرد نے نپولین کی لکھی ہوئی چٹھی پر سیاہی چوس کا کام دیا۔ نپولین نے کہا۔ کہ میرے دشمن تیرا شکریہ۔

ایک دفعہ ایک راجپوت نے دل میں ٹھان لی۔ کہ میں ظہیر الدین بابر جس نے ہماری قوم پر بہت ظلم ڈھائے ہیں۔ کا قلع قمع کر دوں گا۔

وہ تیر کش اور کمان لے کر گھر سے نکل پڑا۔ اور قلعہ کے پاس چھپ کر بیٹھ گیا۔ بابر روزانہ اپنے قلعہ کی فصیل کا چکر لگایا کرتا تھا۔ اس کے بعد دریائے جمنا میں چھلانگ لگا کر دریا کو پار کیا کرتا۔ اور تیرتا ہوا واپس آ جاتا۔ ابھی بابر فصیل پر نہیں چڑھا تھا۔ کہ مصاحب نے عرض کی۔ کہ جہاں پناہ! آپ کے ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی مست ہو کر اصطبل سے نکل کر شہر کو پامال کرتا ہوا۔ قلعہ کی طرف آ رہا ہے۔ اس وقت وہ ہاتھی بالکل ہی فصیل کے نیچے ہے۔ اسی وقت بابر ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے فصیل پر چڑھا۔ اور مست ہاتھی کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ بابر نے اس زور سے ہاتھی کے سر پر خنجر مارا کہ ہاتھی رام ہو گیا۔ دوسری طرف اس شیر فی کے نیچے راجپوت نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنی کمان توڑ دی۔ اور کہا کہ ایسے نوجوانوں کا مارنا پاپ ہے۔ انگریز ہٹلر کو پاگل بھی کہتے ہیں۔ مگر وہ پاگل نہیں تھا۔ اور قول کا سچا تھا۔ تین سو مشیروں نے رائے دی۔ کہ روس پر حملہ کیا جائے۔ گرچہ کہ ہٹلر انگریز سے وعدہ کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے روس پر حملہ کر دیا۔ ہٹلر کا کہنا ہے۔ کہ حالات کبھی مایوس کن نہیں ہوتے بلکہ بدلتے رہتے ہیں۔ جیسے جنگ ہفت ۔ ۔ میں فریڈرک اعظم کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ ۱۷۶۲ء موسم سرما میں اس نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ اگر فلاں تاریخ تک حالات نہ بدلے۔ تو وہ زہر کھا کر خودکشی کرے گا۔ مگر تاریخ مقررہ

سے چند دن پیشتر ذار بیرہ وفات پاگئی۔ حالات بالکل بدل گئے۔ اس نے کہا۔ کہ گٹھ جوڑ کبھی پایہ دار نہیں ہوتا۔ کیونکہ گٹھ جوڑ بعض دفعہ عوام کی مرضی کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے محوری گٹھ جوڑ فیل ہو گیا اور جمہوری اتحاد کامیاب

ہٹلر کی میز پر تین قسم کی پنسلیں پڑی ہوئی تھیں۔ لال۔ سبز اور نیلی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ دشمن کے لئے لال پنسل دوست کے لئے نیلی۔ اور جب کوئی بات خطرے والی ہو۔ تو سبز یا نیلی پنسل استعمال کرتے تھے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا۔ کہ میرا معدہ کچھ خراب ہے میں نے عرض کی۔ کہ آپ چائے کا استعمال کم کر دیں۔ اور چھوٹی بکرے بکری یا بیلے کی یخنی اور ٹنچر بلاڈونا (Belladonna) و ٹنچر ہائیوسائمس (Hyoscyamus) استعمال کریں۔ معلوم نہیں یہ نسخہ استعمال کیا تھا یا نہیں مگر معدے کے لئے بہت مفید ہے۔ ہٹلر دوستوں کا دوست تھا۔ اس نے اپنی دوستی کا ثبوت اس دن دیا۔ جب ہٹلر کے ہوا بازوں نے مسولینی کو قید سے چھڑایا۔ جرمن لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ ہم ہٹلر کے حکم پر لنگوٹ باندھ کر لڑینگے۔ چنانچہ واقعی جرمن لنگوٹ باندھ کر لڑے۔ اگر انگریز ہمارے خلاف لڑا۔ خواہ ہم ہاریں یا جیتیں۔ مگر انگریز طاقت میں تیسرے درجہ کا ہو جائے گا۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ دوران جنگ میں اس کا بعض جرنیلوں سے بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ آخر میں مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ خادم مصطفیٰ!

آپ کو کیا تحفہ دیا جائے۔ میں نے عرض کی کہ حضور مہربانی جب دُنیا سے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ تو دوسری ملاقات میں کوئی نہ کوئی جرمن کی بنی ہوئی چیز ضرور مانگ لوں گا۔ اس بات کو سر آغا خاں نے بہت سراہا۔ اور مجھ سے فرمانے لگے۔ خادم مصطفےٰ کبھی کبھار ضرور ملتے رہا کرو۔ میں نے عرض کی۔ جناب آپ کو دیکھنے کے لئے تو دو کروڑ انسانوں کا دل ترستا رہتا ہے۔ اور خادم مصطفےٰ کو آپ بلا رہے ہیں۔ ضرور حاضر خدمت ہوتا رہوں گا۔

خان اعجاز محمد خاں

اعجاز صاحب کو شروع ہی سے مطالعہ کا شوق ہے۔ باوجود مطالعہ کا شوق ہونے کے آپ بہت سی گیموں کے کھلاڑی بھی ہیں۔ ایسی صفت طالب علموں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ جس طالب علم کو پڑھائی کا شوق ہوتا ہے۔ وہ کھیل کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو کھلاڑی ہوتا ہے۔ وہ پڑھائی میں نل اونل چناول ہو۔ اعجاز صاحب کے جد امجد چک ۱ یار پور کے رہنے والے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد احمد شاہ ابدالی کی فوج کے ساتھ آئے۔ ان کا شجرہ نسب کاکڑ خاں غزنوی سے

ملتا ہے۔ ہوشیار پور سے ان کے والد ماجد طفیل محمد خاں صاحب ۱۹۴۷ء
میں منٹگمری تشریف لائے۔ اعجاز صاحب نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ
ہائی سکول منٹگمری میں حاصل کی۔ اور اس کے بعد بی۔ اے (آنرز)
امتیازی حیثیت سے گورنمنٹ کالج منٹگمری سے کیا۔ اور ۵۲-۱۹۵۱ء میں
اسی کالج کی کرکٹ ٹیم کے کیپٹن رہے۔ کرکٹ میں آل راؤنڈر ہیں۔
ریبیٹ فوک مشہور ہے۔ اسی گیم میں کلر بھی حاصل کیا۔ ۱۹۵۲ء میں
جب آپ نے امتیازی طور پر بی۔ اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔
تو ۱۹۵۵ء میں پراونشل سول سروس کے مقابلہ کے امتحان میں بھی
کامیابی حاصل کی۔ لیکن آسامیاں محدود ہونے کی وجہ سے انتخاب
نہ ہو سکا۔ اسی سال محکمہ ڈاک وتار کے مقابلہ کے امتحان میں کامیابی
حاصل کی۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں بطور سب ڈویژنل انسپکٹر پوسٹ افسر
اوکاڑہ سب ڈویژن تعینات ہوئے۔ منٹگمری اور کراچی میں ٹریننگ
حاصل کی۔ معلوم نہیں کہ پوسٹ آفس والوں کو اتنے دیانتدار ہونہار
اور محنتی لوگ کہاں سے مل جاتے ہیں۔ آپ کو انگریزی ادب پڑھنے
کا بہت شوق ہے۔ کبھی کبھی میرے مسودے میں غلطیاں بھی نکالتے
ہیں۔ اور صلاح بھی دیتے ہیں۔ پیارے اعجاز کو انگریزی لٹریچر پڑھنے
کا صرف شوق ہی نہیں۔ بلکہ انگریزی میں محمدہ نظمیں اور غزلیں بھی لکھ

لیتے ہیں۔ ان کی انگریزی نظمیں بعنوان (Lovely Cricket)
لوولی کرکٹ، دوسری (Life) لائف تیسری A Changed Friend
وہ چینجڈ فرینڈ اور چوتھی (To A. Dejected Friend)
شائع ہو چکی ہیں۔ چند اشعار مختلف نظموں کے ملاحظہ ہوں۔

I my love! my friend,
Just thik of the age.
when you & ' were free
of times . eage.
That was the age
of love and prances.
The time when friends
kept sparkful glances.
(To a changed friend)

ترجمہ۔ اے میری محبت۔ اے میرے دوست
ذرا اس زمانے کی سوچ
جب ہم تم دونو
زمانے کی بندھنوں سے آزاد تھے۔

وہی زمانہ .... ہے

صحیح محبت اور کھیل کود کا تھا

اور وہ محبت کرنے والوں

کی آنکھوں میں الفت کی چمک تھی۔

II Friends! oh Dearest friend
The youth is not to Deep
strike a blow or Pains oh friend
and try to over them heap
when you need the help of friend.
Ijaz is for your gain
But never oh friend you try to hend,
your Braces before the Pain.

مندرجہ بالا اشعار نظم TOA DEJECTEDFRIEND کا ترجمہ

سے ہیں :-

ترجمہ:- دوست اے پیارے دوست،

عہد جوانی رو کر کاٹنے کے لئے نہیں ہے،

مصائب کے منہ پر ایک ضرب کاری لگاؤ۔

اور تکالیف کے اوپر سے کود جاؤ۔

اے دوست جب تمہیں کسی مونس کی ضرورت ہو۔
تو اعجاز کو یاد کرنا۔

لیکن اے دوست مصائب کے آگے کبھی
گھٹنے مت ٹیکنا۔

میں اپنی طرف سے ان کے ایک شعر کا ترجمہ کر رہا ہوں فرماتے ہیں

پیارے دوست ہے تو خمیدہ کمر
ذرا اپنی کمر کو میری طرف جھکا تو سہی

لہذا اعجاز محمد خاں صاحب مری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہونگے۔

عباس اختر شیخ

شیخ عباس صاحب قانونگو شیخ ہیں۔ قانون گو کوئی ذات نہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے جد امجد مغلیہ سلطنت کے عہد میں حکومت کی طرف سے ملک کا قانون بنانے کے لئے منتخب کئے جاتے تھے۔ اور جو یہ قانون بناتے تھے۔ رائج ہو جاتا تھا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم ہوشیار پور دھرم سالہ اور بنوں میں پائی۔

اسلامیہ کالج پشاور میں بھی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں لاہور ڈی۔ اے۔ وی کالج میں داخل ہوئے۔

آپ متحدہ ہندوستان کے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے شیاما پرشاد مکرجی جو کٹر ہندو تھا۔ کے ہاتھوں سے سونے کا تمغہ لیا۔ کیونکہ کالج میں ایم۔ اے انگلش میں اول رہے۔ اور میاں افضل حسین صاحب نے جو کہ اس وقت یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ اُن کو مبارک دی۔ پھر آپ ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیم ائیر فورس پاکستان میں سکوڈرن لیڈر رہے۔ یہ عہدہ میجر کا ہوتا ہے۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن کے عہدہ پر فائز رہے اب آپ میونسپل کالج کے پرنسپل ہیں۔ یہ اوکاڑہ والوں کی خوش قسمتی ہے کہ ایسے لائق اور فاضل آدمی ان کے بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔ آپ کو مطالعہ کا بہت شوق ہے۔ کاغان وادی کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر آپ اپنے پاؤں لگا چکے ہیں۔ سیر بھی مشغلہ ہے۔ جلد سازی۔ فوٹو گرافی۔ آہن گری میں بہت کاریگر ہیں۔ اور سب کا ساز و سامان ان کے ہاں ہے۔ طب سے کافی دلچسپی ہے۔ کھیل کے معاملے میں کم نہیں ہیں۔ پرائیویٹ فٹ بال کلبوں میں ہاف بیک کھیلتے رہے ہے۔ اور فٹ بال کی یہ ٹیمیں وہ تھیں۔ جنہوں نے کلکتہ میں موہن بیاگن جیسی ٹیموں کا مقابلہ کیا۔ اور شکستیں بھی دیں۔ کرکٹ کے ماہر بھی ہیں۔ مجھے ایک دفعہ فرمانے لگے۔

کہ کبھی خادم مصطفیٰ میں کبھی ان ٹیموں کے ساتھ نہیں گیا۔ میں نے عرض کی کہ حضور آپ گئے یا نہ گئے۔ مگر ہندو کی قلم نے آپ کو کلکتہ بھیج دیا۔ ایک لطیفہ بھی سنایا۔

لطیفہ۔ ملٹری شفاخانوں میں یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب حرارت وغیرہ ذرا تیز ہو جائے۔ اور نبض مریض زیادہ تیز چلے۔ تو اس مریض کو (سیریس لسٹ serious) میں لکھ دیتے ہیں۔ اور اس کے گھر والوں کو اطلاع دیتے ہیں۔ کہ فلاں بن فلاں سخت بیمار ہے serius لسٹ میں چڑھا دیا ہے۔ فوج کا ایک سپاہی بیمار ہوا۔ شفاخانے والوں نے اطلاع دی۔ کہ عبدالغفار سخت بیمار ہے۔ گاؤں میں پڑھے لکھے لوگ کم ہوتے ہیں۔ تار پڑھوائی گئی۔ تو اس کا نام نازک والے مریضوں میں لکھ دیا ہے۔ جب اس مریض کو شفا ہو گئی۔ تار جب پڑھا گیا۔ تو اس نے ان کو کہا۔ کہ آپ کے لڑکے عبدالغفار کو چڑھا دیا گیا ہے۔ بس پھر کیا تھا رونا شروع کر دیا۔ آٹھویں روز پھر تار آیا۔ کہ عبدالغفار چھٹی پر آ رہا ہے۔ فلاں دن فلاں ٹرین پر آئے گا۔ تار پڑھایا گیا۔ اور ان کو کہا گیا کہ عبدالغفار فلاں تاریخ کو آئے گا۔ عبدالغفار کے گھر والوں نے جواب دیا کہ وہ اب آئے یا نہ آئے۔ ہم رسم قل ادا کر چکے ہیں۔ میں ان کو ڈسٹ کمیٹی کا ممبر منتخب کرتا ہوں۔ سال ۱۹۵۹ء میں ان سے میری یکم اپریل کو

ملاقات ہوئی تھی۔ ملاقات ان کی زبانی ہیں۔ آپ خوشنویس بھی ہیں۔ موتی پرو تے ہیں۔ مگر میں موتیوں کے بجائے یہ کہا کرتا ہوں۔ کہ ہیرے جڑتے ہیں۔ عالم اور سنجیدہ ہونے کے باوجود پژمردہ محفل کو کلیوں کی طرح کھلا دیتے ہیں۔

چوہدری سردار محمد

چوہدری سردار محمد دارے کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھئے بعض دفعہ بڑے بڑے اچھے آدمی حالات کی وجہ سے بگڑے ہوئے ماحول میں پھنس جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور دنیا کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جب میں ۱۹۴۷ء ستمبر میں اوکاڑہ آیا تو شام کو شراب پینے کے بعد چکلے کا رخ کیا۔ جب میں چکلے میں داخل ہوا۔ تو سردار محمد کھڑا تھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ کہ آئیے۔ آپ میرے پاس بیٹھئے۔ اس کی آواز میں ایسا ردھم تھا۔ کہ میں سمجھ گیا۔ کہ یہ کوئی بھلا آدمی ہے۔ دلال یا کنجر وغیرہ نہیں۔ میں اس کی کچی کوٹھڑی میں بیٹھا۔ آپ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ کہ شراب لاؤں۔ میں نے کہا۔ کہ اگر سالن وغیرہ پکا ہوا ہو تو لے آؤ۔ ایک گوشت کی پلیٹ میز پر رکھ دی۔ میں نے جیب سے شراب کی بوتل میز پر ٹپکائی۔ میں نے

کہا۔ دارے تو یہاں کیسے آگیا۔ دارا کہنے لگا۔ کہ صاحب یہ جو میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کا نام داری ہے۔ میں صاحب اولاد ہوں۔ اور داری بھی۔ اور ہم لاہور کے ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ محلے والے میری عزت کیا کرتے تھے۔ مگر میں اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ تھا۔ ایک روز داری نے مجھے اپنے ہاں بلایا۔ اور مجھ سے کہنے لگی۔ کہ دادا جی دیکھو۔ میرا خاوند مجھے مجبور کر رہا ہے۔ کہ میں عصمت فروشی کروں۔ سردار نے کہا۔ کہ میں اپنی بیوی کے ہاتھوں تنگ ہوں۔ داری نے دارا سے کہا۔ کہ سندھ چلے چلو۔ یہ قصہ آج سے ۲۲ برس پہلے کا ہے۔ دونوں سندھ روانہ ہو گئے۔ کوئی ۲ برس کے بعد چوہدری سردار محمد کی بیوی نے لاہور کی عدالت میں درخواست کی۔ کہ چونکہ میرا خاوند مر گیا ہے۔ لہٰذا مجھے دوسرا خاوند کرنے کی اجازت دی جائے۔ چار گواہ بھی بھگت گئے کہ واقعی چوہدری سردار محمد مر چکا ہے۔ ادھر داری کے میاں نے اور شادی کر لی۔ اور اسکی کمائی کھانی شروع کر دی۔ ۳ سال کے بعد سردار اور داری دونوں نازل ہو گئے۔ سردار محمد اور داری کو دیکھ کر تمام گواہوں کے رنگ فق ہو گئے۔ اور پہلی بیوی بھاگتی پھرے۔ جھوٹے گواہ کہتے پھریں۔ کہ دارا تو فوت نہیں ہوا۔ مگر ہم مر گئے[3]۔ ادھر* دارا نے ایک مجسٹریٹ لوٹا سنگھ جو کہ پہلے ضلع لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھا۔

۳۔ ہمارے سے پہلے وارنٹ نکلیں گے۔ بعد میں حوالات جائیں گے۔ پھر جیل ہم سب تباہ ہوں

اس کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ سردار صاحب دیکھئے۔ میری بیوی کی درخواست پر چار پانچ آدمیوں نے گواہی دی ہے۔ کہ میں مر گیا ہوں۔ اور میری بیوی نے دوسری شادی کر لی ہے۔ سردار صاحب نے اس سے کہا۔ کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ دوبارہ پیدا ہونے کی اپیل کر دو جب دارا اپنے محلہ میں آیا۔ تو چاروں گواہ اس کے پاؤں پر گر پڑے اور کہا۔ کہ دارے اگر تو ہمیں معاف نہیں کرتا۔ تو ہمارے بال بچوں پر رحم کر دو۔ دارے نے انہیں بخش دیا۔ اور ان کے خلاف کوئی درخواست نہیں دی۔ سنہ ۱۹۴۷ میں دارا اوکاڑہ آ گیا۔ داری کا خاوند مر گیا۔ میری سفارش سے دارے کو چکلے کا چوہدری مقرر کر دیا گیا۔ مجھے دارا اور داری ابا کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور ہر گھنٹے میری قد آدم فوٹو آپ کے سامنے لٹکتی رہتی ہے۔ روزانہ میری فوٹو پر پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں۔ ایک روز میں نے دارے کو بلایا۔ میں نے دارے سے کہا۔ کہ دیکھو سردار محمد حرام کاری اچھی نہیں ہوتی تم داری سے شادی کر لو۔ فوراً مان گیا۔ اور ہفتہ کے بعد سنا گیا۔ کہ بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ اور اب جوڑا بہت مزے سے رہتا ہے۔ اگر ایک دو روز میں چکلے نہ جاؤں۔ تو خود مجھے لینے کے لئے آ جاتے ہیں دارا دوستوں کا دوست ہے۔ جب مجھے میرے گھر والوں نے محمد اسلام

مجسٹریٹ سے مل ملا کر مجھے اور میرے پانچ نوکروں کو دفعہ ۱۰۷/۱۵۱ میں حوالات میں بند کروا دیا۔ تو دارا ساری رات کے پروانے کی طرح حوالات کا طواف کرتا رہا۔ اور سیٹھی بستی میرے لئے اور میرے ساتھیوں کے لئے چوہدری دل محمد صاحب نے بھجوائی۔ دارے کو علم تھا۔ کہ جیسا میں ناشتہ کیا کرتا ہوں۔ ویسا ہی ناشتہ میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے لے آیا۔ اور خوب بھر ہو کر کھایا۔ میں اسکو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر مقرر کرنا ہوں۔ نہ تو دارے نے کبھی دلالی کی۔ نہ ہی حرام مال کھایا۔ اور اس میں کوئی بھی بدمعاشوں والی عادت نہیں ہے۔ صاف گو ہے۔ دل بہادر ہے جو دارا سلامت رہے۔

جذبات

ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نمایاں چیز ضروری پائی جاتی ہے۔ انگریز بربادہ۔ جرمن صاف گو۔ ترک یاروں کا یار۔ فرانسیسی نفاست پسند اور مسلمان جذباتی ہیں۔ مسلمان قوم کو اتنا کہنے سے کہ اسلام خطرے میں ہے۔ مسلمان اس کے سر ہو جائے گا۔ ان کے جذبے کو ابھار کر جو کام مرضی کروالیں۔ غدر کروالیں۔ جنگ لڑوالیں۔ بلوہ کروالیں۔ آگ لگوالیں۔ قتل کروالیں۔ اس قوم کو جتنی محبت حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ آپ دوسری قوم کو نہیں۔ اس کے بعد جاپانیوں کو اپنے بادشاہ سے۔ تیسرا نمبر انگریز کا ہے۔ انگریز کو اپنے بادشاہ سے بہت محبت ہے۔

فاروق والئے مصر نے غلط کہا تھا۔ کہ پانچ بادشاہ رہ جائینگے۔ بادشاہ چھ چار تاش کے ایک جاپان کا ایک برطانیہ کا۔ ایک دفعہ میں نے اپنی بھنگن (جوکہ میری دھرم کی بیٹی بنی ہوئی ہے) کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں کھائیں۔ میرے گھر میں کہرام مچ گیا۔ گھر والوں نے میرے برتن علٰحدہ کر دئے۔ اور میرا ہمسایہ جوکہ اس محلے کا امام مسجد ہے ذات کا موچی ہے۔ میرا تانگہ روک کے کہنے لگا۔ کہ ڈاکٹر اسلام خطرے میں پڑ گیا۔ میں نے پوچھا۔ مولوی صاحب کیا بات ہوئی ہے کہنے لگا۔ آپ نے اس رات بھنگن کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں کھائیں میں نے جواب دیا۔ کہ اسلام میں ذات پات کا کوئی لحاظ نہیں ہے میرے نزدیک سب انسان ایک ہیں۔ آپ موچی ہیں وہ بھنگی۔ پھر کیا ہوا اسلام کے جذبے کو ابھار کر صرف ایک آدمی ساری قوم کو ورغلا سکتا ہے۔

خالد شیلڈرک جس نے مسلمانوں کے سامنے جذباتی تقریریں کر کے ان کے روپے پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ میں چشم دید انگلستان

میں رہا۔ خالد کو ڈھونڈتا رہا۔ مگر اس کا کہیں بھی پتہ نہ چلا۔ امرتسر میں مجھے اس نے لندن کا پتہ لکھا دیا تھا۔ میں جب وہاں گیا۔ تو وہ ایک ہوٹل تھا۔ دوسرا ایک شخص کنھیا لعل گابھا ہے۔ جب اس کا باپ دیوالیہ ہوگیا۔ تو اس نے اپنا نام۔ کے۔ ایل گابھا یعنی خالد لطیف کے نام سے موسوم کر کے غریب مسلمان قوم کو خوب لوٹ کھایا۔ اسمبلی کے ممبر بھی ہوئے اور میاں امیر الدین جیسے مخلص آدمی کو شکست دی۔ غرضیکہ مولانا ظفر علی نے بھی گابھا کی الیکشن میں امداد کی۔ ایڈیٹوریل لکھے۔ اور نظمیں لکھیں۔ امیر دین بابا۔ بغل میں دابا۔ علیٰ ہٰذالقیاس۔

تیسرے۔ مدراس میں گاندھی جی کے لڑکے نے عبداللہ گاندھی کے نام سے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ مگر گاندھی جی کے جھرلو سے خائف ہو کر۔ جھرلو مداری کی اس لکڑی کا نام ہے۔ جو کھیل کرتے وقت اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں۔ دوبارہ ہندو ہوگیا تھا۔

چوتھے۔ آر۔ ڈی۔ خاں جس کا اصلی نام رام داس تھا۔ اسکی سب ڈگریاں امریکین تھیں۔ ایم۔ اے۔ او کالج امرتسر کا وائس پرنسپل اس لئے مقرر کر دیا گیا۔ کہ وہ نومسلم ہے۔ اسے پڑھانا بالکل نہیں آتا تھا۔ اگر کرامت حسین جعفری اسکی جگہ نہ آتے۔ تو ساری کی ساری فلاسفی کی

جماعت فیل ہو جاتی میرے ساتھ آر- ڈی خاں کو بہت محبت تھی۔
ایک روز آر- ڈی- خاں میرے ساتھ خالصہ کالج امرتسر چلے گئے سکھوں
کو کہنے لگے- چونکہ میرا نام رام داس ہے۔ گورو رام داس جی سکھوں کے
ایک گورو کا نام ہے۔ لہٰذا میں سکھ ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہندو
سے مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمان سے سکھ۔ اس کے بعد عیسائیوں کی باری
آ جائے گی۔ مگر سکھ قوم اس کے داؤ میں نہ آئی۔ چونکہ میں احمدی ہوں۔
مجھے کہا کرتے تھے۔ کہ حضرت مرزا صاحب پیغمبر ہیں۔ ان کا دعویٰ بالکل ٹھیک
ہے۔ یہ بات میں نے مولانا مولوی بہاؤالحق صاحب تابش کو کہہ دی۔ مولوی صاحب
بہت بگڑے۔ ان کو کالج کے دفتر میں ہی آ دبوچا۔ میں بھی دفتر کی طرف آ رہا
تھا۔ ابھی میں کچھ فاصلے پر ہی تھا۔ طلباء کے مجمع میں مجھے بآواز بلند
کہنے لگے۔ اور "مستفا" (مصطفٰی) ہولی پروفٹ (Holy Prophet)
کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ مرزا ورزا جھوٹا ہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں
سولن گیا۔ تو وہاں وہ اور ان کا سارا خاندان یعنی لڑکے لڑکیاں اور بیوی
تلک لگائے ہندوانہ لباس میں سولن کی سڑک پر سیر کر رہے تھے۔
رام داس خاں مجھ سے بہت چڑتے تھے۔ اور جلیس میں ہوا کرتا تھا۔ میں
نے ان سے عرض کی۔ اگر آپ کو سکھ خالصہ کالج میں وائس پرنسپل
مقرر کر دیتے۔ تو اس "حنفے صاحب" کا کیا بنتا۔ حنفہ تو سکھ ہونے سے رہا۔

فرمانے لگے "اس کا بھی کوئی ہماری نسبت کو لینا۔ ان کا انگریزی کا لفظ بہت خراب تھا۔ پنشن (Pension) کو پنس کہتے تھے۔ اگر اس تلفظ انگریزی میں بولا جائے۔ تو اس کے معنے پیشاب کے ہیں۔ مسٹر بیٹ (Mr. Bate) کو "مسٹر ریت" کہتے تھے۔ امرتسر میں خواجہ غلام محی الدین صاحب جو ہمارے کالج کے سیکریٹری تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ خادم مصطفے آر۔ ڈی خاں تو بہت بڑا فراڈ ہے۔ میں نے عرض کی۔ آر۔ ڈی خاں فراڈ نہیں۔ بلکہ ہماری قوم کے غلط جذبات کا نتیجہ ہے۔ آر۔ ڈی خاں کو بڑی شان سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے عیسائی ہونے کا اعلان کر دیا۔ عیسائیوں نے اسی وقت اس کی مکاری پہچان لی۔ اور اسکی کوئی حوصلہ افزائی نہ کی۔ تو آر۔ ڈی خاں نے سولن میں جاکر جہاں اس کے بیٹوں کی دوکانیں تھیں۔ لالہ رام داس ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ چار سال ہوئے۔ وہ سولن میں بڑے مزے سے آگ کے سپرد کر دئے گئے۔

(۱) ہر قوم کی روایات ہوتی ہیں۔ مسلمان کی یہ روایت ہے۔ کہ اگر خلیفہ سخت ہو۔ تو قوم سیدھی۔ ذرا خلیفہ نرم ہوا۔ تو اس قوم نے خلیفہ کے چار ٹکڑے کر دئے۔ جب تک صحابی عمدہ دماغ والا ان میں چلتا پھرتا ہے تو بالکل ہی نہیں کرتے۔ قدر تو درکنار بلکہ پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ بعض دفعہ دکھ اور تکلیف بھی دیتے ہیں۔ چچا غالب غربت کی حالت میں شراب کو

ترستا ہوا مر گیا۔ بلکہ ایک نامہ نگار دلی کے کوتوال نے مرزا کو ایک صاحب کار کے کہنے پر جیل بھیج دیا۔ کوتوال مر چکا ہے۔ مگر اس وقت تک غالب کی برسی منائی جاتی ہے۔ جس جگہ غالب بیٹھا کرتا تھا۔ بھارتی گورنمنٹ نے وہاں غالب کے ڈھانچے کا مقام بنا دیا ہے۔ اور اسے آثار قدیمہ میں رکھا جائے گا۔ اور پچاس ہزار روپیہ مکان کی تعمیر کیلئے دیا ہے

(۲) علامہ اقبال کوئی زیادہ خوشحال نہیں تھے۔ اب یہ قوم ہوائی جہازوں سے ان کی قبر پر پھول برسا رہی ہے۔ سعادت حسن منٹو ادب کا ذرہ ہیں میرے ہاں بیسیوں دفعہ آئے۔ مگر کسی نے پرواہ کی۔ اور بہت تنگ حالت میں آخری ایام گزارے۔

چراغ حسن حسرت جب فوت ہوئے۔ تو ان کے خاندان کے گزارے کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ عبدالمجید سالک صاحب گورمانی گورنر مغربی پاکستان کے پاس گئے۔ تاکہ ان کے خاندان کے لئے کوئی وظیفہ مقرر ہو جائے۔ گورمانی نے کہا۔ کہ حسرت نے شراب ہی پی ہے اس نے کونسی قوم کی خدمت کی ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں۔ کہ جب سے اردو پیدا ہوئی ہے۔ آج تک کسی ادیب نے ایسی شستہ بامحاورہ [illegible] اردو لکھی نہیں۔ گورمانی صاحب سے پوچھتا ہوں۔ کہ حضور آپ نے گورنری کے زمانے میں میرے ملک کی کیا خدمت

کی ہے۔ صرف دودھ سے ہی کئے۔ اور دودھ میں ہی رب ہے یہ بڑے بڑے جو ہیں۔ یہ بھنگ گھوٹنے والے دودھ ہی ہیں۔ جو دودھ میں بھنگ بھی گھوٹی جاتی ہے۔ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس قوم نے خود شہید کیا اور پھر ماتم کرنا شروع کر دیا۔ لعنت بر روئے یزید۔

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے
تہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے
حبیب و رفیق آ کے رویا کریں گے
مجھے آنسوؤں میں ڈبویا کریں گے
ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے

ہر قوم پہلی قوم کی تقلید کرتی ہے۔ مثلاً یہودیوں نے ایلیا نبی کو آسمان پر چڑھایا۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا ہی بنا دیا۔ مسلمانوں نے حضرت عیسیٰؑ کو چوتھے آسمان پر بٹھا دیا۔ شیعوں نے ایک امام کو جو امام غیب کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ ایک غار میں جو بغداد سے چالیس میل دور ہے۔ اس میں بند کر دیا۔ احمدی حضرات حضرت عیسیٰؑ کو آسمان سے زمین پر لائے۔ اور کشمیر میں دفن کر دیا۔ مگر سادہ لوح سکھ قوم نے ایک گورو جی مہاراج کا ایک جنہ جتایا جھگڑا مع بیلوں کے آسمان پر چڑھا دیا۔ یہ سب اصحاب کرام

ایشیائی ہیں۔ ہندوؤں نے آواگون کا مسئلہ یعنی ٹرانس مائی گریشن آف سولز (Trans migaration of souls) کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ میرا ان سب پر ایمان ہے۔ اور برحق سمجھتا ہوں۔ مگر میری دعا یہ ہے۔ اور آپ بھی دعا کریں۔ کہ ان سب کا تناسخ یعنی نزول بیک وقت جنوبی افریقہ میں ہو۔ شاید سفید فام حضرات ان کا ہی کہا مان لیں۔ وہ سفید فام لوگ ان کے سب کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کریں گے۔ جو ایشیائی قوموں کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا اصحاب کرام سب ایشیائی ہیں۔

میرے محسن سادات

ان میں سید حسن علی شاہ سید کاظم علی شاہ سید محمد حسن شاہ۔ سید عاشق حسین شاہ۔ سید فقیر علی شاہ۔ سید امام علی شاہ۔ سید محمد حسن شاہ مالک وکٹوریہ فارم۔ سید حسن شاہ۔ سید شاہ نواز شاہ۔ سید مظفر علی شاہ سید موج دریا شاہ اور سید محمد عباس شاہ سجادہ نشین شامل ہیں۔ ان ہر ایک کا ذکر علاحدہ علاحدہ دوسری جلدوں میں کیا جائے گا۔ اور ان کی اور میری ملاقاتیں بہت دلچسپ ہیں۔ جو پڑھنے کے لائق ہوں گی۔ ان سب کا

شجرہ نسب حضرت سید شیخ محمد ابراہیم ہاتھ بند گی کرمانی سے ملتا ہے۔ شیخ محمد ابراہیم صاحب کے والد سید شیخ اللہ شاہ کرمان سے ست پورہ ان ضلع مظفر گڑھ میں تشریف لائے۔ ابھی سید محمد ابراہیم صاحب بچے ہی تھے کہ اُن کے والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ سب سے بڑے بھائی سید رحمت اللہ شاہ صاحب شاہ ابوالمعانی رحمۃ اللہ کے والد تھے۔ اس وقت شاہ ابوالمعانی کی عمر نو ماہ تھی۔ جب ترک مانوں نے سندھ پر حملہ کیا۔ اور ملتان تک آ پہنچے۔ تو سید رحمت اللہ شاہ صاحب اور اُن کے چھوٹے بھائی شیخ محمد ابراہیم معہ ابوالمعانی ست گھرہ آ گئے۔ ابتدائی تعلیم بھیرپور میں حاصل کی۔ پھر حصب کتب لاہور چلا گیا۔ سوتی بازار میں ایک زمین دوز مسجد کے امام کے پاس باقی تعلیم حاصل کی۔

دلی میں دو فرقوں کے مولویوں میں مباحثہ ہونے والا تھا۔ اور اس امام کو حاکم وقت کی طرف سے چٹھی آئی۔ کہ کوئی اچھا سا مناظر دلی بھیجا جائے۔ انہوں نے شیخ محمد ابراہیم کو منتخب کیا۔ جب وہ دہلی جا رہے تھے۔ تو آواز آئی۔ بحث مباحثہ کو چھوڑ دو۔ اور تبلیغ کرو۔ دہلی جانے کی بجائے لاہور واپس لوٹ آئے۔ لوگوں نے ان کے چچا کو کہا۔ کہ آپ کا بھتیجا عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان کی شادی کی جائے۔ ست گھرہ میں ایک قریشی خاندان کی لڑکی سے شادی کر دی گئی۔

وہاں سے آپ شیر گڑھ آ گئے۔ شیر گڑھ میں سات لڑکے پیدا ہوئے۔ سب کے سب فوت ہو گئے۔ اس کے بعد ایک لڑکا سید محمد عبداللہ نورنگ نوری پیدا ہوئے۔ اور ان نوری صاحب کے ہاں دیوان ابوبقا محمد پیدا ہوئے۔ شاہجہاں کے عہد میں دیوان صاحب کو بیس ہزاری ملی شیر گڑھ اور اس کے اردگرد جتنی بھی زمینیں اور جاگیر ہے۔ ابوبقا کی پیدا کردہ ہے۔ ابوبقا کے گیارہ بیٹے ہوئے۔ گیارہ میں سے چار کی نسل چالو ہوئی۔ جن لوگوں کا میں نے اوپر ذکر کیا وہ ان کی نسل میں سے ہیں سید شیخ محمد ابراہیم۔ سید فتح اللہ شاہ۔ سید رحمت اللہ شاہ۔ شاہ ابوالمعانی سید محمد نورنگ نوری۔ دیوان ابوبقا محمد سب فوت ہو چکے ہیں۔ ان سب پر ہزاروں سلام۔ اور جن کا میں نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ وہ سب میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

شیر گڑھ

شیر گڑھ کا نام شیر گڑھ اس لئے رکھ گیا ہے۔ کہ یہاں شیر شاہ لودھی نے قلعہ تعمیر کروایا تھا۔ اور ابوالحامد ہاشمی یہاں کے قلعہ دار مقرر ہوئے تھے۔ ابوالحامد نے ٹکڑ اور ساہو قوموں کو کام کروانے کی خاطر لگا

جب قلعہ بالکل تعمیر ہوگیا۔ تو مکڑ قوم کو ابوالمعالی مد نے زمین دی۔ جہاں یہ مکڑ قوم بسی۔ اور اس جگہ کا نام مکڑوال ہے۔ اور ساہو قوم کو منٹگمری ضلع میں جگہ ملی۔ لہٰذا منٹگمری کا اصلی نام ساہیوال ہے اب بھی شیر گڑھ میں ابوالمعالیؒ کی اولاد موجود ہے۔ سید ریاست علیشاہ صاحب اوران کے والد سید نیاز علیشاہ صاحب ہاشمی قریشی ہیں۔ قلعہ تو کھنڈر میں تبدیل ہوگیا ہے۔ مگر شیخ محمد ابراہیم داؤد بندگی کی وجہ سے شیر گڑھ آباد ہوگیا ہے۔

فخر حسین فاخر

میں ان کو ہمیشہ آغا جان کے نام سے پکارا کرتا ہوں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ہوشیارپور میں ڈی۔ اے۔ وی کالج جالندھر میں ایف۔ اے کیا۔ پھر صادق کالج بہاول پور میں بی۔ اے کیا۔ پھر بعد میں ایم۔ اے کیا۔ پھر ایل۔ ایل۔ بی کیا۔ پھر انڈسٹری ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر رہے۔ سیکرٹریٹ (Secretariat) میں ریونیو اسسٹنٹ (Rivenue Assistant) سنہ ۱۹۴۷ء میں میونسپل کمیٹی اوکاڑہ کے سیکرٹری۔ سنہ ۱۹۵۸ء میں پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی اوکاڑہ رہے۔ سپورٹس کا بے حد شوق ہے۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں یونیورسٹی کی ہاکی ٹیم میں "Left out" رہے

کھیلتے رہے۔ اور کلر بھی حاصل کیا۔ آپ اوکاڑہ سپورٹس یونین کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ باوجود کھلاڑی ہونے کے آپ شاعر بھی ہیں۔ ادیب بھی ہیں۔ اور ادیب نواز بھی۔ جتنی خوش اسلوبی سے Commentary یا رواں تبصرہ یہ کرتے ہیں۔ میں نے بہت کم ایسے تبصرہ کرنے والے دیکھے ہیں۔ کبھی سُن کے دیکھ لیں۔ دو دفعہ ہندوستان و بھارت نے ان کو رواں تبصرہ کے لئے بلایا۔ کرکٹ کے ایمپائر اور Umpire، ہاکی۔ فٹ بال۔ والی بال۔ کبڈی۔ گتکے بازی اور باقی تمام اولمپک کھیلوں کے ریفری بھی ہیں۔ میں نے ان جیسے بہادر کم دیکھے ہیں۔ جغرافیہ اوکاڑہ میں ان کا پورا ذکر ہو گا۔ اور اس میں آپ کے اشعار بھی لکھے جائیں گے۔ یہ میونسپل کالج اوکاڑہ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر تصور کرتا ہوں۔

چوہدری رحمت اللہ

چوہدری صاحب جاہل جاٹ ہیں۔ گرمیوں میں پانی کے لئے ایک دو گھڑے اور شیشے کے ایک گلاس مجھے ہمیشہ عنایت فرماتے رہتے ہیں آپ جو بھی کام کرتے ہیں۔ دل سے کرتے ہیں۔ اس میں کوئی تصنع نہیں ہوتا۔ جب پاکستان بنا۔ تو میں نے ان کو ہر مہاجر کی خدمت کرتے دیکھا۔

اور جب بھی کبھی بارشوں یا دریاؤں کی وجہ سے شہروں اور دیہاتوں میں
طغیانی آئی۔ تو یہ لوگوں کی مدد کے لئے سب سے پیش پیش تھے۔
اور ہر کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں مجلس احرار میں شامل ہوئے
میں نے ان کو کبھی بدزبانی کرتے نہیں دیکھا۔ انہی کی وجہ سے ۱۹۵۳ء
میں اوکاڑہ میں قتل وغارت نہیں ہوئی۔ مجھے ایک دفعہ فرمانے لگے۔ کہ
خادم مصطفٰے اس جمعہ کو اعلان کردو۔ میں نے کہا۔ کہ جناب جمعہ تو پانچ چھ
روز تک آئے گا۔ ابھی عصر کی نماز میں اعلان کر دیتا ہوں۔ فرمانے لگے۔
چلو اس وقت عصر کی اذان ہو رہی تھی! میرے ساتھ چل دیئے۔ دو
چار قدم چلنے کے بعد پوچھنے لگے۔ کہ خادم مصطفٰے کیا اعلان کرو گے؟
میں نے کہا۔ کہ نبوت کا اعلان کردوں۔ ایک پیار سے تھپڑ مارا۔ میں نے کہا۔
نہیں نہیں نبوت تو دور کی چیز ہے۔ امام مہدی ہونے کا اعلان کر دیتا ہوں
اگر یہ بھی نہیں منظور۔ تو امام غائب ہی سہی۔ مگر آپ کو بیعت ضرور کرنی پڑیگی۔
ہنسے اور ہنستے ہنستے پھر دوبارہ میرے دوست یعقوب پٹواری کی دکان
پر واپس آ گئے۔ اور مجھے ایک پان کھلوایا۔ ان کے والد خان بہادر خاں
فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے گئے۔ مکہ معظمہ میں وفات پاگئے۔ ان پر
ہزاروں سلام۔ لہٰذا یہ میری ٹرسٹ کی کمیٹی کے
ممبر ہوں گے ؛۔

پولیس

پولیس دراصل یونانی لفظ پولس سے نکلا ہے۔ آگے ذکر آئیگا۔ کہ پولیس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی۔ اور اب تک وہی طریقے رائج ہیں۔ بعد میں غیر ممالک نے عربوں سے اس کو سیکھا۔ پولیس کے معنی شہر اور اس کے انتظام کے ہوتے ہیں۔ ہر منظم سوسائٹی میں امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے۔ جو معاشرے کا شیرازہ بکھیرنے والی قوتوں کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ قدیم زمانے میں موجودہ طرز کی پولیس کا کوئی وجود نہ تھا۔ البتہ روم میں آگسٹس کے دور حکومت میں ایک ایسا ادارہ وجود میں آگیا تھا جس کا مقصد شہری زندگی میں امن و امان قائم رکھنا تھا۔ جب قدیم قبائلیوں نے حکومت کو تباہ اور تاراج کر دیا۔ تو پولیس کا یہ نظام بھی غائب ہو گیا۔ شارل مین جب تخت نشین ہوا۔ تو اس نے اپنی خطوط پر ایک فورس قائم کی۔ مگر اس کی وفات کے بعد اس تنظیم کا شیرازہ بکھر گیا۔ موجودہ دور میں پولیس کی تنظیم کرنے کا سہرا فرانس کے سر ہے۔ جس نے پندرھویں صدی میں شہری امن و امان کی برقراری کے لئے مختلف درجوں کے عہدے دار مقرر کئے۔ اور پولیس کے ذمے مختلف جرائم کی روک تھام، ملزموں کی گرفتاری اور امن و امان کی حفاظت کرنے کا کام سونپا گیا۔ یورپ اور لاطینی امریکہ کے کئی ممالک میں پولیس کے فرانسیسی نظام ہی کی تقلید کی گئی ہے۔

انگلستان میں سب سے پہلے رابرٹ پیل نے ۱۸۸۲ء میں پولیس فورس کے قیام کیلئے قانون منظور کروایا۔ لندن کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور ہر حصہ ایک چیف کانسٹیبل کے ماتحت دے دیا گیا۔ اس کے تحت ۳۲ سپرنٹنڈنٹ ہوتے تھے۔ امریکہ میں برطانوی نظام کو اپنایا گیا۔ چنانچہ ۱۸۷۵ء میں نیو یارک کی ریاستی مقننہ نے لندن پلان کے خطوط پر ایک قانون منظور کیا گیا۔ بعض ممالک میں خفیہ پولیس کی تنظیمیں بھی قائم کر لی گئیں۔ ہٹلر نے نازی گسٹاپو اور مسولینی نے اور تنظیمیں قائم کی تھیں۔ جن کا مقصد مخالف عناصر کی نگرانی کرنا تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں پولیس کا موجودہ نظام انگریزوں نے قائم کیا تھا۔ اس سے قبل مغل دور حکومت میں بھی پولیس کا محکمہ قائم تھا۔ لیکن اس کی حقیقت آج کی پولیس سے

بہت مختلف تھی۔ اس دور میں ہر شہر میں امن دامان برقرار رکھنے کے لئے کوتوال مقرر کئے جاتے تھے۔

لندن کے ڈاکو بھی عجیب ہیں۔ ہر دالو مختلف چیزوں پر چوریاں کرتے ہیں۔ ایک دفعہ لندن کے ایک بہت بڑے ہوٹل میں ایک ڈاکو امریکی سوداگر کے روپ میں ٹھہر گیا۔ بہت سی نقدی ہوٹل کے بنک میں جمع کرا دی۔ اور اپنے آپ کو ہیروں کا سوداگر بنایا میں نے دیکھا۔ واقعی اس ڈاکو کو ہیروں کی بڑی اچھی شناخت تھی۔ اس ڈاکو نے ایک روز لندن کے ہیرے بیچنے والے کو اس ہوٹل میں بلایا۔ اور اس سے گھٹیا قسم کے ہیرے زیادہ داموں پر خرید لئے۔ ڈاکو سوداگر نے اس دکاندار سے کہا۔ کہ کچھ اور بھی ہوں تو لے آؤ۔ وہ اپنی دکان سے جتنے اچھے قسم کے ہیرے تھے۔ سب لے آیا۔ اس نے سمجھا۔ کہ گاہک بہت بھولا ہے۔ جرمنی ہیروں والا دکاندار اس ہوٹل کے کمرے میں آیا۔ اور کرسی پر بیٹھا۔ ڈاکو نے اِسے ایک ایسی کاری ضرب لگائی۔ کہ دکاندار بے ہوش ہو گیا۔ اور ڈاکو ہیرے لے کر فرار ہو گیا۔ جان محمد نے پولیس کو اطلاع دی۔ تو تقریباً تیرہ سکاٹ لینڈ یارڈ کے پولیس کے آدمی آ گئے۔ مجھے پتہ کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ ان میں سب سے لائق مسٹر ڈونلڈ نس ہے۔ قد لمبا خوبصورت جوان اب اس کی عمر شاید ساٹھ سال

بجی ہوگی۔ چست اور کاروباری آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ شخص کا آفیسر تھا۔ اس کی گفتگو سے پتہ چلا کہ بہت ہی لائق آدمی ہے۔ وہ ستمبر ۱۹۲۴ء میں ایک سپاہی بھرتی ہوا تھا۔ اگر وردی میں نہ ہو۔ تو کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ پولیس کا آدمی ہے۔ اس نے ہوٹل کے کمرے کے اندر جہاں ڈاکے کا واقعہ ہوا تھا۔ گھستے ہی اس نے یہ کہہ دیا۔ کہ یہ فلاں شخص کا کام ہے۔ اس نے حکم دیا۔ ملک کے تمام ہوائی اڈے بندرگاہیں اس شخص کے لئے تلاش کریں۔ مگر کوئی گرفتار نہ ہو سکا۔

صبح اس نے سکاٹلینڈ یارڈ کے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ انگلینڈ میں جتنے بھی ٹرکش باتھ ہیں ان کا محاصرہ کر لیا جائے۔ سکاٹلینڈ یارڈ کے سپاہیوں نے عام لباس میں انگلستان کے ہر ایک ٹرکش باتھ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد ڈاکو گرفتار ہو گیا۔ میں نے پوچھا فنش صاحب یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا۔ کہ فلاں ڈاکو کا کام ہے۔ اور اس کو فلاں جگہ اس کو گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ بڑے پیار سے فرمانے لگے۔ بھئی محافے اتنی دلیری کا کام صرف ویسی شخص ہی کر سکتا تھا۔ اور اس کی خاص صرف ٹرکش باتھ میں غسل کرنا ہے۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ بالکل آسان ہے۔

سکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس دنیا میں سب سے اچھی پولیس مانی

جاتی ہے۔ مگر خادم مصطفےٰ سکاٹ لینڈ یارڈ کو چیلنج کرتا ہے۔ کہ ہماری
پہلے پنجاب جیسی پولیس دنیا کے کسی حصہ میں نہیں ہے۔ ہماری پنجاب
پولیس کے مسلمان ملازم کو کوئی مقدمہ سکاٹ لینڈ یارڈ والے پاکستان
پہلی پنجاب پولیس کو دے دیویں۔ تو ہماری پولیس
اس مقدمہ کو بہت جلد نپٹائے گی۔ عامہ پولیس حضرت عمرؓ نے
قائم کیا تھا۔ تاکہ رعایا کی خبر خلیفہ تک آ سکے۔ چوری و رہزنی کا انسداد ہو
سکے۔ پولیس کے متعلق مسلمان کا حصہ ہے۔ چونکہ یہ ہماری ایجاد کردہ
ہے۔ لہٰذا پولیس میں مسلمان ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے سکاٹ لینڈ
یارڈ انگلستان کی پولیس ہے۔ انگلستان میں چور چوری کرتا رہے۔
مگر جب پکڑا جائے گا۔ تو سچ بول دے گا۔ مگر پاکستان میں اور بھارت میں
ملزم پولیس کے سامنے جھوٹ بولے گا۔ اور عدالت میں سچ بولے گا۔
میں ایسے ایسے واقعات بیان کرتا ہوں۔ کہ باوجود سول افسروں کے
اصرار پر ہماری پولیس کو اگر یہ شک ہو جائے۔ کہ ملزم بے گناہ ہے
تو پھر بھی چالان شدہ ملزم کی پولیس مدد کرتی ہے۔ اگر چالان سے قبل
بے گناہی کا ثبوت مل جائے۔ تو چالان ہی نہیں کرتی۔ پاکستان بننے
سے پہلے ایک بے گناہ آسا سنگھ کو پھانسی کا حکم ہو گیا۔ اس وقت مسٹر
سشن جج تھے۔ اس پر چوہدری سکندر حیات، جو اس وقت انسپکٹر تھے

اور آج کل ڈی۔ ایس۔ پی منٹگمری ہیں۔ آسا سنگھ کو کہا۔ کہ مجھے صفائی کی گواہی میں بھگتا ڈ۔ یہ دیکھئے۔ کہ پولیس کا چالان اور پولیس ہی صفائی میں بھگت رہی ہے۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس ٹپ وغیرہ لے لیتی ہے مگر ہماری پولیس میں ایسے بھی ہیں۔ کہ نہ تو ٹپ لیویں۔ اور نہ ہی رشوت میرے سامنے کی بات ہے۔ کہ چوہدری دل محمد نے سردار احمد سعید کے قتل کے معاملہ میں دس ہزار روپیہ ٹھکرا دیا۔ یہ دیکھئے۔ یہ اور بھی عجیب واقعہ ہے کہ خاں عبداللہ خان جو کہ آج کل شیخوپورہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ بیس ہزار روپیہ بطور ٹپ مل رہا تھا۔ مگر ٹھکرا دیا۔ کیونکہ ملزم قصوروار نہیں تھا۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ مصطفٰے آباد میں میرے ایک دوست سید دلاور حسین شاہ کے چھوٹے لڑکے عزیز شاہ نے بندوق صاف کرتے کرتے اس کی لبلبی دبا دی۔ غلطی سے اس میں ایک کارتوس رہ گیا تھا۔ وہ چل گیا۔ قریب ہی ایک ۱۵۔ ۱۶ سال کا لڑکا کھیل رہا تھا۔ گولی اس کے سینہ میں لگی۔ اور وہ وہیں مر گیا۔ خاں عبداللہ خاں تفتیش پر گئے۔ تفتیش کی۔ اور عزیز شاہ کا چالان ۳۰۴ اے میں کر دیا۔ بعد میں ملزم بری ہو گیا۔

ہمارے پہلے پنجاب کے جن پولیس افسروں کا ذکر کیا تھا۔ ان میں سکھ افسر شامل نہیں ہیں۔ شملہ میں ایک گیانی صاحب انسپکٹر

سی۔آئی۔ڈی تھے۔ اور موتی لعل سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ دسمبر کا مہینہ پوہ ماگھ کی راتیں اور برف باری زوروں پر تھی۔ گیانی صاحب نے دو روز کی رخصت لینی تھی۔ انہوں نے اپنی عرضی میں زکام کھانسی۔ انفلوانزا لکھ دیا۔ مگر نمونیہ لفظ کے ہجے نہیں آتے تھے۔

رات کے بارہ بجے گیانی صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کی کوٹھی پر پہنچے۔ اور اردلی کو کہا۔ کہ صاحب کو جگاؤ۔ قارئین سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر رات کے بارہ بجے کسی معمولی کام کے لئے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی کوٹھی پر نہیں جا سکتا۔ اردلی نے فوراً صاحب کو جگایا۔ اور کہا کہ صاحب باہر گیانی صاحب تشریف لائے ہیں۔ صاحب نے کہا۔ کہ انہیں جلدی اندر بلاؤ۔ جب گیانی صاحب اندر گئے۔ تو صاحب نے حیرانگی سے پوچھا۔ کہ فرمایئے۔ گیانی صاحب خیر تو ہے۔ گیانی صاحب نے بھولے پن سے جواب دیا۔ کہ مجھے صرف نمونیہ لفظ کے ہجے بتا دو۔ کیونکہ تمام بیماریاں میں نے عرضی میں لکھ دی ہیں۔ اور صرف نمونیہ کی بیماری لکھنی باقی ہے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کہا۔ کہ گیانی نمونیہ لفظ لکھیں یا نہ لکھیں آپکی چھٹی کی عرضی منظور۔

مسٹر فش کا سب سے بڑا واقعہ جس کو انگریزی اخباروں اور رسالوں نے بہت مشتہر کیا۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس نے ایک ایسا گرزہ۔

جو صرف گھڑیاں چھپاتا تھا۔ کس طرح پکڑا؟ ریلوے میں چور چوری کرتا رہتا ہے۔ مگر جب پکڑا جاتا ہے۔ تو سچ بول دیتا ہے۔ اس لئے وہ مار بھی کھاتا۔ مسٹر فش نے برا اگر وہ جو پکڑا ہے۔ گھڑیاں اور پانچ کروڑ الیٹ کا سونا اور ہیرے صرف ٹی۔ او۔ ۔ ۔ بس کے ہوائی جہاز فلس پر ہر سال باہرے جاتے ہیں۔ یہ سامان وہ جنوں ہاتھوں سے گزرتا ہے لادنے والوں گنتی کرنے والوں اور محافظ وغیرہ۔

اگر کوئی سامان لندن سے آسٹریلیا جاتے ہوئے گم ہو جائے تو اس کو بارہ ہزار میل لمبے راستے کی پڑتال کرنی پڑتی ہے

یہ واقعہ جس کا نام بنکاک کیس ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تین گھڑیاں جو لندن سے بنکاک جاتی تھیں۔ راستے میں چوری ہو جاتی تھیں۔ راستے میں کئی دفعہ پڑتال کی جاتی تھی۔ جب وہ ڈبے مالک کے پاس پہنچے تھے۔ تو گھڑیوں کی بجائے ان میں اینٹیں اور روڑے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ اس معاملہ نے بہت حیران کیا۔

مسٹر فش دو ملازم کے آدمیوں نے بنکاک جا کر اس معاملے کا بہت غور سے جائزہ لیا۔ رپورٹ پر مسٹر فش کو یقین ہو گیا۔ کہ جو بھی شرارت ہوتی ہے۔ وہ بنکاک میں ہی ہوتی ہے۔ جہاں سامان رات وقت پڑا رہتا ہے۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ مسٹر ڈگلس بکر کو

بنکاک میں ہدایات دینی شروع کر دیں۔ بچر اور اس کے ساتھی اس سٹور میں جہاں کہ سامان رکھا جاتا تھا۔ ہر رات ایک کونے میں بیٹھے رہتے۔ اور چوروں کا انتظار کرتے۔ بچر نے کہا۔ کہ میں کئی دفعہ کچھ آوازیں سنتا رہتا تھا۔ مگر وہ صرف چوہوں کی آوازیں ہوتی تھیں۔ مسٹر بچر نے ایک شخص کو دیکھا۔ جو کہ چھت کے سوراخ میں سے سر نکال رہا تھا۔ وہ آدمی ظاہر ہو گیا۔ اور بچر نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ ایک سپاہی تھا۔ جو اس ڈپو کا محافظ تھا۔ بنکاک سیام کا صدر مقام ہے۔ اور وینس آف ایسٹ کہلاتا ہے۔ اس شہر کے ہر حصے میں نہر بھی ملتی ہے۔ اور سڑک بھی۔

پھر ایک دفعہ اس کو اطلاع ملی۔ کہ بہت سی گھڑیاں ہانگ کانگ سے باہر جاتی ہیں۔ اور ٹوکیو میں ان کی ناجائز درآمد ہوتی ہے۔ صرف ایک ڈیلر نے ہانگ کانگ سے ایک لاکھ تیس ہزار گھڑیاں چھ ماہ میں ناجائز طور پر ٹوکیو بھیجیں۔ گھڑیوں کا بیوپار زیادہ منافع مند ہے۔ مسٹر فنش نے بعض گھڑیاں پکڑیں۔ جن کی مشینریاں نکالی ہوئی تھیں۔ اور کیس میں گانجا بھرا ہوا تھا۔ مسٹر فنش نے بتایا۔ کہ بیوپاری کھلونوں میں بھی گانجا لاتے رہتے تھے۔

میں نے جب یہ واقعہ سید غلام عباس صاحب سب انسپکٹر پولیس

مضمون گو گیرہ کو پڑھ کر سنایا۔ تو فرمانے لگے۔ ابے۔ او الو کے ڈربے اور میری ہمشیرہ کے لڑکے۔ بھلا یہ بھی کوئی سراہنے والا واقعہ ہے۔ ایسے تو تمہارے سامنے بیسیوں کیس پکڑے۔ میں نے جواباً کہا۔ کہ تمہاری بات تو ٹھیک ہے۔ واقعی پاکستان کی پولیس سکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس سے بدرجہ اتم اچھی ہے۔

ط گانجا ہمارے ملک اور بھارت میں بھی پیا جاتا ہے۔ گانجا پینے والے نہاتے نہیں۔ ایک دفعہ ایک گانجا پینے والی محفل میں ایک گانجے باز نے دوسرے گانجا پینے والے سے کہا۔ کہ یار بازار سے دودھ لے آؤ۔ وہ برتن لے کر شیر فروش کی دکان پہ پہنچا۔ اس وقت شیر فروش نہا رہا تھا۔ اس نے اس کو نہاتے دیکھ کر کہا۔ کہ ٹھہرو ٹھہرو یہ کام بعد میں کر لینا۔ مجھے پہلے دودھ دے دو۔ مگر شیر فروش نے اس اثنا میں پانی کا بھرا ہوا لوٹا اپنے سر پر ڈال لیا تھا۔ اتفاقاً چند چھینٹیں گانجا باز پر بھی پڑیں۔ جونہی اس پر چھینٹیں پڑیں۔ وہ برتن جو دودھ لینے کے لئے لایا تھا۔ وہیں پھینک دیا۔ اور شیر فروش کو بددعائیں اور گالیاں دیتا ہوا واپس اپنے جائے محفل پہ پہنچا۔ جونہی وہ پہنچا تو دوسرے گانجا پینے والوں میں سے ایک نے پوچھا۔ کہ دودھ لے آئے ہو۔ اس نے جواباً کہا۔ کہ چھوڑو یار۔ وہ حلوائی کوئی انسان کا بچہ ہے۔ جونہی

میں اسکی دکان پر پہنچا۔ تو اس نے نہانا شروع کر دیا۔ چند چھینٹیں مجھ پر بھی پڑ گیئں۔ اس پر سب اہل محفل نے چلا کر کہا۔ ابے الو کے پٹھے تیرا تو بیڑا غرق ہوا تھا۔ اب ہمارا کیوں کر دیا۔ یعنی گانجا پینے والوں کو نہانا تو درکنار نہانے کا نام بھی سننے سے ہی نشہ ہرن ہو جاتا ہے

ہماری پولیس کے لاری واقعہ بہت مشہور ہیں۔

ہماری پولیس کارروائی ضرور کر ڈالتی ہے۔ ایک کارروائی کا قصہ میں بیان کئے دیتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک تھانے میں صرف ایک ہی مدد محرر تھا۔ اور دروازے پر ایک پہرے دار سپاہی۔ چار آدمی ایک چارپائی اٹھائے ہوئے آئے۔ جس پر ایک زخمی آدمی رضائی سے ڈھکا ہوا لیٹا ہوا تھا۔ انہوں نے دو روپے تو پہرے دار کو تھمائے اور پانچ محرر کی نظر کئے۔ مدد محرر نے کہا۔ کیا بات ہے؟ سب یک زبان ہو کر بولے۔ کہ فلاں فلاں آدمیوں نے ہمارے بھائی کو مار دیا ہے۔ مدد محرر نے پرچہ درج کیا۔ تاکہ کارروائی بڑھ جائے۔ اور اس کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیج دیا۔ اس وقت ہسپتال کے سول سرجن میر اسمٰعیل صاحب تھے۔ جب، چارپائی چیر پھاڑ کے کمرے کے سامنے رکھی گئی، تو میر صاحب بھی باہر تشریف لائے۔ اور فرمانے لگے کیا بات ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ حضور اس کا پوسٹ مارٹم

کروانا ہے۔ جونہی میر صاحب نے رضائی اٹھائی۔ دیکھا کہ لاش آنکھیں جھپک رہی ہے۔ میر صاحب نے اس کا نام پوچھا۔ تو مردہ بولا۔ نتھو۔ ابھی وہ نبض دیکھنے کو تھے۔ کہ وہی مدد محرر آ گیا۔ میر صاحب نے اس سے کہا۔ کہ محرر صاحب جی! آج تک میں نے ایسی لاش کا کبھی پوسٹ مارٹم نہیں کیا۔ جب مدد محرر نے دیکھا۔ کہ یہ زندہ لاش ہے۔ تو اس نے اسی وقت اپنی جوتی اتاری۔ اور زندہ لاش کے سر پر پانچ سات جوتیاں جڑ دیں۔ وہ لاش چارپائی سے جلدی سے اُٹھی اور اس تیزی سے بھاگی کہ مدد محرر باوجود انتہائی کوشش کے اس کی گردِ راہ کو بھی نہ پہنچ سکا۔ مجھے ہو گئی کارروائی۔ پتہ نہیں پھر تھانیدار صاحب نے یہ معاملہ کیسے سلجھایا ہوگا۔ یہ قصہ میں نے میر صاحب کی آپ بیتی میں پڑھا تھا۔

ہماری پولیس دوسرے شخص کو پاؤں سے پھسلاتی ہے۔ اگر وہ نہ پھسلے تو خود پھسل جاتی ہے۔ ۱۹۳۴ء میں راقم باغ پولیس لائن میں چوہدری محمد حسین چیمہ تھانیدار متعین تھے۔ اس وقت میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ تو ایک سپاہی ایک جواں سال ہندو لڑکے کو لے کر آیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس کا سائیکل ریلے کا تھا۔ ریشمین کا سلا ہوا سوٹ زیب تن تھا۔ اور فلیٹ ہیٹ جس کی قیمت اس وقت

کم از کم ۳۰ روپے ہوگی پہنے ہوئے تھا۔ "دو گھوڑا" کے شو پاؤں میں تھے
سو میٹر جینگر کمپنی کی تھی۔ اور دستانے [illegible] اعلیٰ کڈ کے تھے۔ اومیگا کی گھڑی
کلائی پر تھی۔ جس کا زنجیر طلائی تھا۔ القصہ وہ تقریباً ایک ہزار روپیہ
مالیت کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ میں چپکے بیٹھا
رہا۔ تاکہ تماشا دیکھوں۔ چیمہ صاحب نے سپاہی سے مخاطب ہوکر کہا۔
کیوں جوان کیا بات ہے۔ سپاہی بولا۔ حضور یہ غلط ہاتھ سائیکل پر جا
رہا تھا۔ میں نے اسے چالان کرنے کے لئے روکا۔ اب یہ چھوکرا اپنا نام نہیں
بتاتا۔ چوہدری صاحب نے سپاہی کو غصہ سے کہا۔ کہ اے الو! اسے ہتھکڑی
لگاؤ اور حوالات میں بند کر دو۔ اس حرامی کو میرے پاس لانے کی کیا ضرورت
تھی۔ وہ اسی وقت ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ کہ میرا نام فلاں اور میرے باپ
کا نام فلاں ہے۔ سپاہی نے اس کا نام اور اس کی ولدیت لکھ لی۔
وہ دونوں چلے گئے۔ میں نے چیمہ صاحب سے کہا۔ کہ چوہدری صاحب
آپ کو معلوم ہے۔ یہ کون تھا؟ کہنے لگے۔ کہ نہیں۔ میں نے کہا۔ یہ رتن چند
چائے والے کا لڑکا تھا۔ جسے آپ نے گالی دی تھی۔ اگر وہ اکڑ جاتا۔
تو آپ کو تھانیداری کے لالے پڑ جاتے۔ چیمہ صاحب فرمانے لگے۔ کہ
اگر وہ اکڑتا۔ تو جیسے اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ تو ویسے ہی میں جوڑ کر
کہتا۔ کہ غلطی ہوگئی۔ معاف کیجئے گا۔ اور تشریف لیجائیے گا۔ اور ایک بات

اور بھی کہتا۔ جب پولیس والے اکثر کہا کرتے ہیں۔ کہ جناب میں تو پہلے ہی اس نوکری سے تنگ ہوں۔ بہت خراب نوکری ہے۔ اور خادم مصطفےٰ پیارے! اسطرح ہماری خلاصی ہو جاتی۔ چوہدری اب فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام۔

ایک دفعہ کنور دلیپ سنگھ کی کوٹھی کے کواٹروں میں چوری ہو گئی۔ کنور صاحب کا چہرہ کچھ بدنما تھا۔ داڑھی صفاچٹ تھی بلی الصبح آپ رات کے سونے والے کپڑوں میں ملبوس سیر کو نکلے۔ سیر سے واپسی پر جب نگر اس کا تھانہ آیا۔ تو خیال آیا۔ کہ چوری کی رپٹ تھانہ میں درج کراتا جاؤں۔ کنور صاحب تھانے کے اندر گئے۔ اس وقت تھانہ محرر اور چند سپاہی دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کنور صاحب نے کہا۔ کہ کوٹھی نمبر فلاں کے کواٹر میں چوری ہو گئی ہے۔ چونکہ ان کی شکل کچھ اچھی نہیں تھی۔ اور لباس بھی دیدہ زیب نہ تھا۔ اس لئے محرر نے سمجھا۔ کہ کوئی بھنگی ہے جس کے کواٹر میں چوری ہو گئی ہے۔ محرر کہنے لگا۔ کہ دیکھو یار۔ ابھی بوہنی بھی نہیں کی۔ اور یہ کیا کرنا سا صبح صبح منہ لگا ہے۔ آخر اس نے روزنامچہ نکالا اور لکھنا شروع کیا۔ کنور صاحب لکھاتے گئے۔ جب وہ ذات لکھانے سے رکے۔ تو محرر نے کہا۔ ابے آگے بک کیا بکتا ہے الو کے پٹھے کے ہاں چوری ہوئی ہے۔ اور لکھاتا بھی نہیں۔ کنور صاحب

نے جواب دیا۔ اور کچھ نہیں۔ محرر نے کہا تیرا نام کیا ہے۔ کنور صاحب نے
کہا۔ میرا نام دلیپ سنگھ ہے۔ محرر نے جونہی نام سنا۔ اور کوٹھی کے نمبر کا
خیال آیا۔ تو کہنے لگا حضور! آپ کہیں جسٹس کنور دلیپ سنگھ تو نہیں۔
کنور صاحب فرمانے لگے جی وہی ہوں بس بھر گیا تھا۔ محرر صاحب جو کہ سٹول
پر بیٹھے ہوئے تھے۔ زمین پر گر گئے۔ روزنامچہ الٹا ہو گیا۔ سپاہی بھاگ گئے
محرر باآواز بلند کہنے لگا۔ کہ ہائے مر گئے۔ ہو گئی تباہی۔ قصہ یہی تو برخاست
تو انشاء اللہ ضرور ہو جائیں گے۔ کنور صاحب نے ٹیلیفون اٹھایا۔
اور اسی وقت انسپکٹر جنرل پولیس سے کہا۔ کہ تم اور تمہارا ماتحت سپرنٹنڈنٹ
پولیس تھانہ سول لائن میں جلدی سے آجاؤ۔ آن کی آن میں آئی۔ جی
ڈی۔ آئی۔ جی۔ اور ایس۔ پی سب آموجود ہوئے۔ کنور صاحب نے
سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آئی۔ جی نے اسی وقت محرر کی دعا قبول کی اور
اسے برخاست کیا۔ اور تھانے کے افسر اور سپاہی سب معطل کر دیئے
گئے۔ ایک سال کے بعد سپاہیوں اور افسروں کی مصالحت ہوئی۔ مگر جونہی
معطل شدہ واپس نوکری پر گئے۔ تو کنور صاحب نے محرر کی سفارش بھی کی۔
اور وہ دوبارہ نوکری پر حاضر کر دیا گیا۔ ہماری پولیس کی دو دفعات
بہت مزیدار ہیں۔ ۱۵۱/۱۰۷ دوسری ۱۰۹۔ ایک دفعہ پنڈت جواہر لعل نہرو
جی نیو دہلی میں کسی جلسہ گاہ میں تقریر کرنے کے لئے جا رہے تھے۔

پولیس نے روکا مگر وہ نہ رُکے۔ پنڈت جی کو زیر دفعہ ۱۰۹ میں دھر لیا گیا۔ پنڈت جی کو بیں اقرئیہ۔ محمد اسلام مجسٹریٹ نے خادم مصطفیٰ کو بھی زیر دفعہ ۱۵۱/۱۰۷ اندر کروا دیا تھا۔ اور دو دن دوران عاجز مسکین کا راشن بذمہ سرکار رہا۔ باوجود جرم قابل ضمانت ہونے کے ضمانت نہ لی گئی۔ محمد اسلام لعنت بر روح یزید۔

میاں عبدالرفیع ہوشیارپوری

میاں صاحب ہوشیارپور کے رہنے والے ہیں۔ آپ ہوشیارپور کے سب سے بڑے رئیس تھے۔ ان کے والد ماجد شیخ عبدالحمید اور ان کے والد شیخ مہر علی صاحب دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام۔ شیخ مہر علی صاحب ایک عالمگیر شہرت کے مالک ہوئے ہیں۔ اُن کے حالات بڑی بڑی کتابوں اور اخباروں میں سپرد قلم کیے گئے۔

ایسے نیک انسان پر ہندوؤں نے ایک جھوٹا مقدمہ دائر کروا دیا صرف سزا موت اور جائداد کی ضبطی ہوئی۔ گو عدالت عالیہ نے بری کر دیا۔ مگر ان ہندوؤں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ معاملہ یوں ہوا کہ ۱۸۸۲ء میں ہوشیارپور کی آبادی اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس میں سے

ایک تہائی مسلمان تھے۔ اور اُن میں زیادہ تر کم حیثیت کے لوگ تھے۔ ایک دفعہ وہاں ہندو مسلمان فساد ہو گیا۔ بنائے وجوہات معمولی تھیں۔ ایک کنواں محلہ ارائیوں میں کسی مارواست کے پیرو نے لگوایا تھا۔ اس نے ہندو، مسلمان، عیسائی سب کو اجازت دے رکھی تھی۔ کہ وہ اس کنوئیں سے پانی لے سکیں۔ ایک شخص ہمیر چند ہندو نے اس کنوئیں کے پاس کی زمین خرید لی۔ اور اس پر شوالہ تعمیر کروانا شروع کر دیا۔ اور زبردستی رات ورات اس چاہ کو بھی احاطہ مندر میں گھیر لیا۔ تاکہ مسلمان، عیسائی، اور سکھ اس کنوئیں سے پانی نہ لے سکیں۔

۲۔ محلہ مولویاں میں ہر سال عیدالضحٰی کے دن مسلمان گائے کی قربانی دیا کرتے تھے۔ اور یہ ہر سال مولوی میاں محمد صاحب کے مکان پر گائے ذبح ہؤا کرتی تھی۔ ہندوؤں نے مولوی صاحب اور چند مسلمانوں کے خلاف زیر دفعہ ۲۹۰ اور ۲۹۵ کیس رجسٹر کروا دیا جس میں ڈپٹی کمشنر نے مبارک چند اور نبی بخش اور باقی سب کو رہا کر دیا۔

۳۔ تیسرا واقعہ یوں ہؤا۔ کہ دسہرہ اور محرم دونوں تہوار بیک وقت ظہور پذیر ہو گئے۔ تعزیہ پر کسی شرارت پسند ہندو نے اینٹیں پھینکیں جس سے تعزیوں کا جلوس مشتعل ہو گیا۔ ہندو مسلمان فساد شروع ہو گیا۔

حاشیہ صفحہ ۱۷۱- ایک دفعہ مرہٹوں نے جو کہ احمد شاہ ابدالی کے مقابلہ کیلئے
پانی پت کے میدان میں اکٹھے ہوئے تھے۔ جن کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔ اور
احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صرف پچیس ہزار جانثار تھے۔ اپنے دو ایلچی
احمد شاہ ابدالی کے پاس بھیجے۔ ایلچیوں نے احمد شاہ ابدالی سے درخواست
کی۔ کہ دیکھئے شہنشاہ ایران و افغانستان آپ سے ہم مقابلہ نہ کریں
ہم تعداد میں بہت ہیں۔ ساز و سامان آپ سے بہیں گنا ہے۔ اگر اعتبار نہیں۔
تو آپ کے چند آدمی ہمارے ہاں چلے جائیں۔ ہم یہاں ٹھہرتے ہیں۔ اور
وہ جاکر دیکھ لیں۔ احمد شاہ ابدالی نے جواب نہ دیا۔ اور اپنی فوج کے
بیس نوجوانوں کو بلوایا۔ اور آنکھ سے اشارہ کیا۔ اور منہ سے کہا۔ اپنی گردنیں
کاٹ دو۔ اسی وقت ہر ایک نے اپنی گردن سر تن سے جدا کر دی۔ احمد شاہ
ابدالی نے ایلچیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ دیکھئے میرے حکم سے انہوں
نے اپنی گردنیں خود کاٹ کر رکھ دی ہیں۔ اور جب میرا حکم ہوگا۔ اور سامنے
دشمن ہوگا۔ تو یہ کیا تباہی مچائیں گے۔ سفیر واپس چلے گئے۔ ان پیغامبروں
نے اپنے راجاؤں کو سارا ماجرا سنایا۔ اور کہا کہ مقابلہ مشکل ہے۔ علی الصبح
۲۰ کم ۲۵ ہزار فوج کے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے ان پر حملہ بول دیا
۴ گھنٹوں میں ایک لاکھ مرہٹے قتل کر دئے گئے۔ اور دو لاکھ کے قریب سخت
گھائل ہوئے۔ اور باقی سب بھاگ گئے۔ مگر احمد شاہ ابدالی کے صرف ۲ جوان

(انہوں نے اس کے حکم سے اپنے آپ کو خود بخود مار ڈالا مرے۔ باقی فوج بالکل صحیح و سلامت رہی۔ اور فتح انگریزوں کی ہوئی) حاشیہ ختم

قارئین! جو اپنے امام کی خاطر اپنے سینے پر چھریاں، خنجر مار سکتا ہے زنجیروں سے اپنے آپ کو پیٹ سکتا ہے۔ وہ کب گوارہ کرتا ہے۔ کہ اس کی مقدس چیز پر کوئی غیر شخص اینٹیں پھینکے۔ مسلمانوں نے تازیئے وہیں چھوڑے۔ اور ہندوؤں پر ٹوٹ پڑے۔ بس شہر کا پھر وہی حشر ہوا۔ جو بلوے میں ہوا کرتا ہے۔ دکانیں لوٹ لی گئیں۔ کچھ زخمی ہوئے اور کچھ مارے گئے۔ چونکہ شیخ مہر علی صاحب مسلمان قوم کی پشت پناہی کرتے تھے۔ لہٰذا سارا بوجھ ہندوؤں نے مقدمہ کا ان پر ڈال دیا۔ حالانکہ ان کا فساد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لالچ دے کر ہندوؤں نے چند کمینے مسلمانوں کو ان کے خلاف گواہ کھڑا دیا۔ سیشن جج تک رشوت دی گئی۔ اور سزائے موت اور جائداد کی ضبطی ہوئی۔ میں چیلنج کرتا ہوں۔ آج تک کبھی بلوے میں کسی معزز آدمی کو کبھی ایسی سزا نہیں ہوئی؟ مگر چیف کورٹ نے شیخ مہر علی صاحب کو بری کر دیا۔ دنیا کے کونے کونے سے مبارکباد کی تاریں آئیں۔ لاہور میں شیخ صاحب مرحوم کا بہت شاندار جلوس نکالا گیا۔ میاں عبدالرفیع اور میاں جاوید رفیع مہر کی ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

گانا

خادم مصطفٰے کو گانا سننے کا بہت شوق ہے۔ دُنیا میں تین شخصوں کا گانے میں کوئی اُستاد نہیں ہوُا۔ ان تینوں کو قدرت نے گانا سکھایا ہے۔ اور ان کا ہر ایک کا اپنا اپنا راگ ہے۔ پہلے حضرت داؤد علیہ السلام جو بہت خوش الحان تھے۔ اور بولیاں گایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کمہاروں نے آپ سے کہا کہ گانا سناؤ۔ مگر حضرت داؤد علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ کمہاروں نے آپ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ چند دن بعد قدرت نے کمہاروں کو اتنی تکلیف دی کہ تنگ آ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ہر ایک کمہار کو خواب میں ڈرایا۔ تمام کمہار خائف ہو کر آپ کے پاس معافی مانگنے کے لئے گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ جب دوسری بار کمہار آپ کے پاس گئے۔ تو آپ فوت ہو چکے تھے۔ اس سمے سے آج تک کمہار آپ کے نام کا گانا گاتے ہیں۔ انہوں نے اس گانے کی کتاب کا نام "داؤد علیہ السلام" رکھا ہوُا ہے۔ مجھے یہ تقریباً ساری کتاب ازبر ہے یہ گانا دو آدمی مل کر گاتے ہیں۔ ایک ساز بجاتا ہے۔ اس ساز کو بجلی

کہتے ہیں۔ لمبا سا بالش ہوتا ہے۔ اور سامن کی سُر ایسی ہوتی ہے۔
تی۔ری۔ تی۔ری۔ توم۔ تی۔ ری۔ ری۔ ری۔ ری۔ تام۔ تے تی
تاؤں۔ توں۔ تی۔ ری۔ ری۔ ری۔ رے۔ ذرا آپ خود ایسی سُر
لگائیں۔ تو پتہ چلے۔ نہیں تو کسی کمہار سے سُنیں ورنہ "مجھ" سے آکر سنیں۔
چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

"نعرہ ماریا علی نے تے خیبر ہیا ڈولے"

(یعنی علی کے نعرہ سے خیبر کانپ اٹھا)

"کاہنوں جھبٹ جھوکنا جے بھڑکن چھولے"

بھٹی کو آگ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اگرچہ اُچھلیں۔ مگر اصل شعر یوں ہے۔
کاہنوں چھٹ جھوکنا جے بھڑکن شعلے۔ بھٹی میں آگ کیوں دیتے ہو۔ اگر شعلے زیادہ ہوتے ہیں۔

گلاں کیتیاں میرداد بھی کندھ دے اوہلے"

(یعنی میرداد نے دیوار کی اوٹ میں باتیں کیں) میرداد اس زمانے کے عاشقوں
میں سے ایک ہوا ہے۔ پھر گانے کے مطابق گانے والا تقریر بھی کرتا ہے۔
وہ بھی ملاحظہ ہو۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت سلیمان کو پیغام بھیجا۔
اور ایک تیر چلایا۔ اور تیر اس پتھر میں لگا۔ جس پتھر نے ایک کنوئیں کا منہ
بند کیا ہوا تھا۔ اور پتھر اتنا دور ہو گیا۔ کہ کنوئیں کا منہ کھل گیا۔ اور بلقیس
کی فوجوں نے پانی پیا۔ تی۔ ری۔ تی۔ ری۔ ری۔ ری۔ ری۔ رم۔ یہ حضرت

داؤ دعملتے السلام اگر آپ خادم مصطفےٰ سے سنیں۔ تو بڑا مزہ آئے گا۔
گدھا ایک میل فاصلہ طے کرتا ہے۔ تو کمہار تین میل۔

دوسرے تان سین ہندو تھے۔ ۲۶ر اپریل ۱۵۸۹ء کو وفات پائی۔ ان کا اصلی نام ترلوچن داس تھا۔ گونڈ براہمن تھا۔ ان کے والد مکرند پانڈے گوالیار موضع بھینٹ کے رہنے والے تھے۔ لیکن ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی۔ اس سے بے اولاد جوڑے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ کرم ایک ان کی صورت دیکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ ان کی والدہ کا نام ناظمی نگوڑی تھا۔ اس زمانے کے درویش حضرت محمد غوث گوالیاری تھے۔ بھینٹ کے قریب بلارے میں رہتے تھے۔ موضع بلارا ان کی جاگیر تھی۔ آپ ہندوستان بھر میں گھومتے رہتے۔ کبھی کبھار بلارے آجاتے۔ مکرند یہ سنتے ہی کہ حضرت محمد غوثؒ بلارے تشریف لائے ہوئے ہیں سیدھا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور بغیر اولاد کے زندگی اجیرن ہے۔ حضرت فرمانے لگے۔ کہ جا تیرے گھر لڑکا ہوگا۔ اور دنیا میں امر ہوگا۔ کچھ مدت بعد ترلوچن داس یعنی تان سین پیدا ہوا۔ مکرند ترلوچن داس کو لے کر حضرت محمد غوثؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ یہ آپ کے پاس ہی رہے گا۔ لیکن حضرت محمد غوثؒ نے فرمایا۔ کہ یہ آپ کے پاس ہی رہے گا۔ امانت کے طور پر

رکھو۔ اور پرورش ہم کریں گے تعلیم کا زمانہ چار سال چار مہینے چار دن چار گھڑی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ تب سے ترلوچن حضرت کی خدمت میں رہنے لگا۔ اور تعلیم شروع کر دی بچپن سے ہی مختلف آوازوں کو سنتا اور ہوبہو نقل اتارنے کی کوشش کرتا۔ حضرت محمد غوث کے باغ میں شیر کی طرح دہاڑنے لگتا۔ تو بہت سے پھل چور باغ سے بھاگ اٹھتے۔ اور پھر باغ کا رخ نہ کرتے

ایک دفعہ متھرا کے مست بابا ہری داس حضرت محمد غوث کو ملنے کے لئے آئے۔ باباجی اور حضرت صاحب باغ کے قریب پہنچے۔ تو وہاں سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی۔ بابا رکے اور خائف بھی ہوئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ کہ فکر نہ کریں۔ یہ شیر میرا شاگرد ہے۔ اور اس وقت تان سین کی عمر دس سال کی تھی۔ تان سین باغ میں بیٹھا مزے سے گایا کرتا اور بولیاں بولا کرتا تھا۔ ایک روز حضرت صاحب پان کھا رہے تھے۔ وہی پان تان سین کے منہ میں دے دیا۔ وہ پان کھانے کے بعد تان سین کے گلے میں رس پیدا ہو گیا۔ سنہ ۱۵۳۲ء راجہ مان سنگھ کے قائم کئے ہوئے گانے کے سکول میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں مچھوا اور سنور تعلیم دیا کرتے تھے۔ اور ان کا استاد بخشو انتقال کر چکا تھا۔ مچھوا اور سنور نے حضرت صاحب کے پاس عرض کی۔ کہ حضور بخشو اگر دوبارہ زندہ ہو جائے۔ تو شاید اس کو تعلیم دے سکے۔ یہ سن کر ترلوچن بہت اداس

ہوا۔ کہ بخشو کیا گاتا تھا! اور یہ بات مشہور تھی۔ کہ بخشو کی لڑکی اپنے والد کی گائی ہوئی سب چیزیں خوب جانتی تھی۔ شادی شدہ تھی۔ اور اپنے خاوند کے پاس دکن میں رہتی تھی۔ ترلوچن یہ سن کر دکن کو سدھارے۔ بخشو کی لڑکی نے کہا۔ گانا سناؤ۔ جب ترلوچن نے گانا سنایا۔ تو بخشو کی لڑکی نے کہا۔ کہ بیٹا! ابھی کچھ اور سیکھو۔ ترلوچن حضرت صاحب کے پاس واپس آگیا۔ اور حضرت صاحب کو ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت صاحب نے فرمایا بیٹا! وہ جو ہم نے اپنا جوٹھا پان کھلایا تھا پھینک دیا ہوگا۔ ترلوچن نے جواب دیا۔ جی ! ایک نما۔ کڑوا لگا پھینک دیا۔ دوبارہ اپنا جوٹھا پان ترلوچن کے منہ میں رکھا۔ تو ترلوچن پان کا رس دھیرے دھیرے نگل گیا۔ اُسی رات سے ترلوچن جب سوجاتا۔ تو خواب میں ایک عمر رسیدہ انسان گا گا کر دھرپد ترلوچن کو یاد کراتا۔ جب حضرت صاحب کو یہ ماجرا سنایا۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا بیٹا! یہ بخشو ہے۔ تو پھر ایک دن استاد بخشو کی لڑکی کے پاس پہنچا۔ اور گانا سنایا۔ تو وہ گانا سن کر ششدر رہ گئی۔ اور کہا۔ کہ بیٹا! اب میرے پاس کیا دھرا ہے۔ تو تین کی مالا میں اب ہیرے جڑ دو تو بات بنیگی۔

حضرت محمد غوث ان کو میاں کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ تیری تان میں سین ہے۔ یعنی تان کے معنی الاپ اور سین کے معنی جسم مفرح۔ زندگی۔ بار کہا کرتے تھے۔ کہ تو میاں تان سین ہے۔

تو اس دن سے اُس کا نام تان سین پڑ گیا۔ جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دی۔ تو حضرت صاحب گجرات کاٹھیاواڑ چلے گئے۔ تان سین ان کے ساتھ تھا۔ سلطان محمود والئے گجرات بھی رنگ راگ کا دلدادہ تھا۔ دربار میں راگ کی بنا پر اور حضرت صاحب کے درویش ہونے کی وجہ سے تان سین کی بڑی عزت افزائی کی۔ بیجو باورے اور تان سین کے مقابلے کے جو قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ پتھر پگھل گئے۔ ہرن چوکڑیاں بھرنے لگے۔ گلے میں مالا پہنے حاضر ہو گیا۔ دیپک گانے سے آگ لگ گئی۔ اور ملار گانے سے بارش ہونے کی وجہ سے آگ بجھ گئی۔ بالکل غلط ہے ان میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ تان سین اور بیجو باورا کے مقابلے ضرور ہوتے رہے ہیں۔ بیجو باورے کا شاگرد گوپال بھی اس زمانے کے بہت بڑے گویئے تھے۔ ۱۵۴۵ء میں تان سین دولت خاں جو کہ شیر شاہ سوری کے لڑکے سلیم کا معشوق تھا۔ تان سین دولت خاں کی الفت میں گرفتار ہوا۔ بعد میں دلی کی مسجد کا ایک متولی سلامت جس کو گانے کا بہت شوق تھا۔ وہ تان سین کے گانے پر عاشق ہو گیا۔ اس فکر میں کہ کہیں تان سین اس سے چھن جائے۔ تان سین کو بغیر اجازت سرکار کے دہلی سے پشاور لے بھاگا۔ وہاں پہنچنے پر دونوں کو بحکم شاہی گرفتار کر لیا گیا۔ ملاں کو سزا دی گئی۔ لیکن تان سین کو

رہا کر دیا گیا۔ جب دلّی کے حالات بگڑے۔ تو آپ دہلی سے متھرا تشریف لے گئے۔ سورج خاں اور چاندی خاں تان سین کو دربار میں پیش لے جانا چاہتے تھے۔ مگر زین خاں جو دربار اکبری میں گویا تھا۔ اس نے اکبر کے پاس تان سین کی بہت تعریف کی۔ ابوالفضل نے ۱۵۶۲ء میں یعنی ۹۷۰ھ میں تان سین کو اکبر کے دربار میں پیش کیا گیا۔ جب تان سین نے درباری گائی تو اکبر پر بہت اثر ہوا۔ فوراً سوال کیا۔ کہ تان سین گانے میں اتنا وقت صرف کر کے کیا پایا۔ فوراً جواب دیا۔ کہ اس دنیا میں آپ کے دربار تک مجھ کو اس گانے کی وجہ سے ہی رسائی ہوئی ہے۔ اکبر بہت خوش ہوا۔ اور دو لاکھ روپیہ انعام دیا۔ اور نورتن میں شامل کر لیا۔ تان سین نے راگ اور راگنیوں کا اختراع شروع کر دیا۔ جیسے کہ پہلے استاد بخشو نے ٹوڈی میں دیس کار داخل کر کے بہاری ٹوڈی بنائی کا نسٹرہ میں شیام کو داخل کر کے نائیکی کانسٹرہ بنا دیا۔ کلیان میں کچھ کمی اور کچھ زیادتی کر کے نائیکی کلیان بنا دیا۔ اس طرح تان سین نے کانسٹرہ سے ملار اور کلیان کو ملا کر درباری کانسٹرہ بنا دیا۔ سنتوہ اور گونڈ ملار اور اڑانے کی بہار میں درباری ملا کر میاں کی ملہار بنا دی۔ اساوری۔ گوجری۔ ٹوڈی۔ سرگ۔ بھیرویں گندھار۔ ردھ سو لگا کر میاں کی ٹوڈی تیار کی۔ اور میاں کا سارنگ بھی میاں تان سین کی ایجاد ہے۔

میاں تان سین ....

کے تین بیٹے تھے۔ بلاس خان ۔صورت سین ۔ اور تان ترنگ تینوں اپنے فن میں بہت ماہر تھے ۔ تان ترنگ بہت ماہر تھا ۔ تینوں دربار اکبری کے گویئے رہے ۔ بلاس خان نے بلاس خانی ٹوڈی بنائی مرتے وقت میاں وصیت کر گئے کہ میری قبر پیر کے قدموں میں ہونی چاہیئے ۔ چنانچہ اُن کو حضرت محمد غوث کے قدموں میں ہی سپرد خاک کیا گیا ۔ ۲۰-۲۱ ۲۲ فروری کو ان کی برسی منائی جاتی ہے ۔ خادم مصطفٰے نے مصطفائی سُر بنائی ہوئی ہے ۔ اور ۱۹۲۳ء میں ان کے مزار پر سلام گایا تھا ۔ میرا خیال ہے کہ اُن کی روح ضرور خوش ہوئی ہوگی ۔

مہاراجہ گوالیار نے تان سین کو شہنشاہ اکبر کے پاس تحفتہً بھیجا ۔ کیونکہ اکبر کو گانا سننے کا بہت شوق تھا ۔ اکبر خود بھی گاتا تھا ۔ اس کے درباری گویئے چاند خاں اور سورج خاں تھے ۔ ان کی آل ابھی تک لائل پور میں موجود ہے ۔ ان کے نواسے کا نام مہر خاں ہے ہندوستان اور پاکستان میں سب سے اچھا گاتے ہیں ۔ مگر آج تک ریڈیو پاکستان نے ان کو مدعو نہیں کیا ۔ بڑے افسوس کی بات ہے ۔ مہر خاں تین سو پینسٹھ ۳۶۵ راگ راگنیاں گا سکتے ہیں ۔ جیسے پہلوانوں کا ایک داؤ رواں ہوتا ہے ۔ ویسے ہی تمام گویوں کا ایک راگ سُر میں ہوتا ہے ۔ عاشق علی درباری گایا کرتے تھے ۔ تو آج کل کے اچھے گویوں

میں سے ایک گویا ہے۔ بہت سدھ راگ گاتا ہے۔ آگرے کے مخالف جب
نیاس خاں جے دنی گایا کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جب تان سین
آگرے پہنچا۔ اور اکبر کے سامنے پیش ہوا۔ تو اکبر نے حکم دیا۔ کہ ان کو
پہلے ابوالفضل جو اکبر کے نورتنوں میں سے ایک رتن تھا۔ کے پیش
کیا جائے۔ کیونکہ اس زمانے میں ابوالفضل گانا سمجھنے میں ماہر تھا۔
جیسے کہ آج کل پاکستان میں خورشید انور ہے۔ ابوالفضل نے تان سین
کا گانا پسند کیا۔ تان سین کو میاں صاحب بھی کہتے ہیں۔ کسی راگ کے
پہلے میاں کا لفظ لگا ہوا ہو۔ تو وہ راگ میاں صاحب کا بنایا ہوا
ہوتا ہے۔ جیسے میاں کی ٹوڈی۔ میاں کا ملار۔ ابوالفضل نے اپنے
درباری گویئے سورج خاں اور چاند خاں بھی بلوائے۔ اور تان سین
کو ان کے سامنے بٹھا دیا۔ صبح کے وقت بلوایا تو چاند خاں اور
سورج خاں نے صبح کے سب راگ گا دیئے۔ بتایئے تان سین کیا گا
سکتا تھا۔ دوپہر کو مجلس ہوئی۔ تو چاند خاں اور سورج خاں نے
تمام دوپہر کے راگ گا دئے۔ تان سین چپ۔ شام اور رات کی مجلس
میں بھی درباری گویوں نے شام اور رات کے سب راگ ختم کر دئے۔
ابوالفضل نے حکم دیا۔ کہ آٹھ روز کے بعد پھر محفل ہوگی۔ تان سین نے
اسی ہفتے کے اندر اندر اپنے صبح کے تمام راگ ختم کئے۔ ابوالفضل نے

تان سین سے پوچھا۔ کیا ٹوڈی گاؤ گے۔ جی ہاں۔ اس نے میاں کی ٹوڈی سنائی۔ دوپہر کو مجلس ہوئی۔ تو تان سین نے میاں ملار گایا۔ جو ابوالفضل کو بہت پسند آیا۔ پھر رات میاں نے درباری سنائی۔ اس کے درباری چھوٹے غلام علیخاں بہت اچھی گاتے ہیں۔ مگر بے جے ونتی سے گھبراتے ہیں جب تان سین اکبر کے دربار میں پیش ہوا۔ اکبر نے گانا سن کر ان کو اپنا درباری گویا مقرر کر لیا۔ جب تان سین نے ایسے راگ سنائے۔ جن پر وقت کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اگر کوئی شخص کسی محفل میں کسی اُستاد سے کسی راگ کی فرمائش کرتا ہے۔ اور اگر وہ راگ کسی مراسی کو نہ آتا ہو۔ تو وہ جواب میں کہتا ہے۔ کہ اس راگ کا وقت نہیں ہے۔ مگر تان سین نے وقت کی پابندی اٹھا کر مراسیوں کے کانوں کو ہاتھ لگوا دیئے۔ میرے خادم مصطفےٰ نے آج تک کسی سے گانا نہیں سیکھا۔ میں نے دیسی۔ ملار۔ اڈانہ کی بہار اور کانہڑہ کی سُروں کو ملا کر مصطفائی راگ بنایا ہوا ہے۔ مگر بعض اُستاد سے پیاری درباری کہتے ہیں۔ سرفراز علی گوہر اور نگینہ بائی مجھ سے بہت سنا کرتے ہیں۔ لندن میں مجھے معلوم ہوا کہ جاز بینڈ والے آئے ہوئے ہیں۔ میں ان کو سننے کے لئے گیا۔ انہوں نے بہت عجیب قسم کی سُریں سنائیں۔ ان میں سیالوی سُریں بہت زیادہ تھیں۔ دُنیا میں ہندی زبان کا مزاج گانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے کہ ہندی

الفاظ سُر اور راگ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔ ہندی گانا بنگال میں پیدا ہؤا۔ یوپی میں پلا۔ ر ماروا‌ڑ کی کہاوت ہے۔ یوپی ڈدپا گانے سے ماروا‌ڑ منصوبے ڈوبی) ر مارواڑی بہت زیادہ سوچتے ہیں۔ یہ گانا پنجاب میں جوان ہؤا۔ اور پشاور میں جا کر مر گیا۔ بنگال کی دو چیزیں مشہور ہیں۔ گانا اور زلف۔ تیل بنانے والے جب بھی تیل کا نام رکھتے ہیں۔ اسے زلفِ بنگال ہیر آئل لکھتے ہیں۔ مگر قارئین یہ پنجابی شعر بہت پسندیدہ ہے۔

یوسف پھل گلاب دا بھی اِک شہر مصر دے وِچ
کم (کام) پروردگار دا ڈٹھا (دیکھیا) میں اِک چمن دے وِچ

گلاب کے جیسے یوسف مصر کے ایک شہر کنعان میں بک رہا ہے۔ اور قدرت کی کاریگری میں نے باغ میں دیکھی۔

چشم کشمیر اُنڈے زلف ایران دی
ہائے عشق دا تیر او لگا سُدھ نہ رہی او جان دی

آنکھیں کشمیر کی اور زلف ایران کی مشہور ہے۔ مجھے عشق کا تیر ایسا لگا۔ کہ جان کی ہوش نہ رہی۔

دوسرے نمبر پر عربی گانا ہے۔

تیسرے نمبر پر ہسپانوی گانا۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس بینڈ کی
شہریں دریائے مسس پی کے کنارے دریائے مسس پی دنیا کا سب سے
لمبا دریا ہے۔ اور جو شمالی امریکہ میں واقع ہے۔ یہ پانیوں کا باپ
کہلاتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ پانی جس دریا میں بہتا ہے وہ ایمزن
ہے۔ جو کہ جنوبی امریکہ میں ہے ائی سنہ ۱۵۳۹ء میں مسٹر ڈی سیٹو
(De Soto) ایک ہسپانوی جتھہ مغربی فلوریڈا پر اُترا۔ اور
ڈی سیٹو نے کورٹیس (Cortes) کی نقل کرتے ہوئے اپنا جہازی
بیڑا کیوبا واپس بھیج دیا تھا۔ تاکہ اس کے ساتھی واپس نہ جا سکیں۔ میرا
خیال ہے کہ طارق کو تاریخ جغرافیہ بہت آتا تھا۔ ان دونوں نے
اپنا بیڑا صرف واپس ہی کیا تھا۔ مگر طارق نے اپنے بیڑے کو آگ لگا دی۔
یہ ہسپانوی جتھہ مسس پی کے کنارے آباد ہو گیا۔ ڈی سیٹو نے
اپنے آدمیوں کو مشغول رکھنے کے لئے اور دوسرے جو کہ وہاں آباد
تھے۔ مثلاً سُرخ پیشانی ہندوستان (Red Indian) حبشی اور مصری ان
سب کے لئے۔ اس نے خاص دُھنیں ایجاد کیں۔ جن میں ہسپانوی
دُھنیں شامل تھیں۔ تب یہ بینڈ بجتا ہے۔ مصری ہسپانوی اور
فرانسیسی۔ انگریز اور امریکی اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ جوں جوں زمانہ
گزرتا گیا۔ جاز (Jazz) موسیقی بھی ترقی کرتی گئی۔ یہ بینڈ آہستہ آہستہ

ٹنگاگو۔ پیرس اور Madrid میڈرڈ میں بہت مقبول ہوا اس موسیقی میں افریقہ کا چڑھاؤ موجود ہے۔ تال مغربی یورپ سے مشابہت رکھتی ہے۔ سندرس تال منہدی کا ہے۔ ہسپتان یہ تال عربی کا جن لوگوں نے اس کو زیادہ مقبول بنایا۔ اس میں پارلوک مسٹر اونسکی اور نایاڈ کے نام قابل ذکر ہے۔ پہلے پہل یہ بینڈ والے بہت کم معاوضہ لیا کرتے تھے۔ مگر اب اللہ کی پناہ۔ شروع میں یہ بینڈ مزدوروں کا تھا شادی بیاہ، تجہیز و تکفین، مذہبی رسومات اور عام دعوتوں کی تقریبات اس بینڈ میں شامل تھیں۔ مگر عام طور پر یہ موسیقار زیادہ تر ہوٹلوں اور ریلیوں پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ دنیا میں سب سے زیادہ سازندے اسی بینڈ کے ہیں۔

آپ نے کبھی آج تک شامل باجا نہیں سنا ہوگا۔ لیجئے صاحب ہم آپ کو شامل باجا سناتے ہیں۔

کہتے ہیں۔ کہ ایک راجہ نے حکم دیا۔ کہ روزانہ ایک ایسی مجلس ہو جس میں اس ملک کے تمام سازندے اپنا اپنا ساز لے کر حاضر دربار ہوں۔ سازندے حاضر ہو گئے۔ یعنی سارنگی۔ تان پورا۔ گٹار۔ بین بچتر بین۔ جلترنگ۔ طبلہ۔ باجہ اور علیٰ ہذالقیاس جتنے بھی ملک کے ساز تھے۔ بجنے شروع ہو گئے۔ محفل ختم ہونے پر ایک سازندے

کو پانچ پانچ روپے انعام دے کر رخصت کیا۔ دوسرے روز پھر ایسا ہی ہوا اس شہر کا ایک ایسا مراسی بھی تھا جس کے پاس کوئی ساز نہیں تھا۔ وہ چارپائی کی سیرو اور پٹی لے کر سازندوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے ایک لکڑی کو دوسری لکڑی پر رگڑنا شروع کر دیا۔ محفل ختم ہونے پر اس کو بھی پانچ روپے مل گئے۔ وہ مراسی روزانہ جاتا اور پانچ روپے لے آتا۔ باقی سازندے یہ ماجرا دیکھ کر دل ہی دل میں جلنے لگے۔ کہ ہم تو کچھ بجاتے ہیں۔ یہ مفت میں ہی پانچ روپے لے جاتا ہے ایک روز ایک سازندے نے کہا۔ کہ مہاراج آپ علاحدہ علاحدہ ہر ایک ساز بھی تو کبھی سنیں۔ مہاراجہ نے کہا۔ ہاں سناؤ۔ ہر ایک سازندے نے اپنا اپنا ساز سنایا۔ جب لکڑی والے کی باری آئی: تو اس نے اسی انداز سے ایک لکڑی کو دوسری لکڑی پر رگڑنا شروع کر دیا۔ مہاراجہ نے پوچھا۔ اِس ساز میں سے تو آواز ہی نہیں آتی۔ سازندے نے جواب دیا۔ سرکار یہ شامل باجا ہے۔ دوسرے ساز بجیں گے۔ تو اس کی بھی آواز آئے گی۔ جب تک محفلیں جاری رہیں۔ اس کو پانچ روپے ملتے رہے۔ یعنی اس کی پانچوں گھی میں رہیں۔ اور دوسروں کے سر کڑاہی میں یہ ہے۔ شامل باجا۔ اور باقی حسد کرنے والے مراسیوں کو لکڑی لگ گئی۔

ماموں

ماموں کو پنجابی میں ماما کہتے ہیں۔ مگر پنجاب کے سوا ماموں کے لفظ کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ مجھے بھی یہ لفظ بہت بھلا معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب بھی کسی کو کسی بچہ کی والدہ کہتی ہے۔ کہ دیکھ آسمان کی طرف کیسا نظارہ ہے۔ بچہ کہتا ہے۔ کہ "چندا ماما" یہ لفظ کہ جب پکارتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ ماں ماں ملا ہی ہوں۔ تو ایک ماموں بنتا ہے۔ ڈیڑھ ماں ہو۔ تو ایک مامی۔ اوکاڑہ میں جو عورتیں مجھے بھائی صاحب کہتی ہیں۔ ان کے سب بچے مجھے ماموں کے نام سے پکارتے ہیں۔ مثلاً یعقوب صاحب کے بھانجے سراج لال ارائیں اور میرے چچازاد بھائی منتخب حیات کے لڑکے معظم حیات، ظاہر حیات، عالم حیات راجہ اور بہت سے ایسے اور ہیں۔ جو مجھے ماموں کے نام سے پکارتے ہیں۔ منتخب حیات صاحب جیسے ہمدرد میں نے کم دیکھے ہیں۔ جب میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ تو آپ مجھے فرمانے لگے۔ کہ خادم مصطفٰے میرے ساتھ کوئٹہ چلے چلو۔ میں آپ کو کسی اچھی جگہ نوکر کرا دوں گا۔ اس وقت آپ ریلوے میں ٹی۔ آئی تھے۔ مگر میرا ارادہ کالج میں داخل ہونے کا تھا۔ اس لئے میں کوئٹہ نہ جا سکا۔ ایک دفعہ بھائی صاحب لاہور میں اپنے

بڑے بھائی اسلم حیات کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ آپ بدبکو میں کون سے پھاٹک پر نوکر ہیں۔ اور کس کانٹے والے کی جگہ تبدیل ہو کر ملتان آئے ہیں۔ مگر بھائی صاحب ملتان میں ڈی۔ ٹی۔ او تھے۔ مسکرا کر فرمانے لگے۔ کہ بیٹا کیا بات ہے۔ میں نے عرض کی۔ کہ آپ ۲۵ سال سے ملازم ہیں۔ اور ملازم بھی اچھے عہدے پر ہیں۔ جب آپ طالب علم تھے۔ تو کبھی کبھار اکنی دوانی ہم کو دے دیا کرتے تھے۔ اب چھ سات سو روپے ماہوار تنخواہ ہے۔ اور ہمیں کبھی پوچھا تک نہیں۔ فرمانے لگے۔ کہ خادم مصطفےٰ خدا کی قسم اگر تم ملتان آؤ۔ اور جتنا بھی عرصہ ٹھہرو۔ ایک بوتل سکاچ روزانہ آپ کی نذر کی جائے گی۔ اور لازمہ بھی ساتھ ہو گا۔ شفیع حیات صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام۔ جب ان کے بیٹے ماموں کے نام سے پکارتے ہیں۔ مجھے بہت بھلے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میری حقیقی ہمشیرہ کے بیٹے ہیں۔ ایک دفعہ میاں عبدالرفیع صاحب جن کا میں رشتے میں ماموں ہوں۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ ڈاکٹر میں تجھے ماموں کہا کروں۔ میں نے جواب دیا کہ بہت خوشی کی بات ہے۔ دنیا میں سات رشتے ہیں۔ اول بیوی دوم۔ والدہ سوم۔ بہن چہارم۔ ماموں پنجم۔ خالہ ششم۔ سالا اور بہنوئی۔ مگر انگریزوں نے سالے، بہنوئی، ماموں کا لفظ اڑا دیا ہے۔

جب کبھی بھی کسی کے والد نے اپنے بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ یا فوت ہو گیا۔ تو وہ بچے ماموں کے ہاں پلتے ہیں۔

لدھیانے کے ارائیں اور راجپوتوں کے ہاں جب بھانجی پیدا ہو جائے تو وہ روتے ہیں۔ کیونکہ اُن پر شادی کا بوجھ پڑ جاتا ہے۔

امرتسر میں ایک ڈاکٹر اوم پرشاد تھے۔ جب وہ انگلینڈ سے تعلیم حاصل کر کے واپس آئے۔ تو ان کی ایک ارائیں لڑکی سے شادی ہو گئی۔ شادی اس شرط پر ہوئی تھی۔ کہ لڑکی مسلمان رہیگی۔ اور بچوں کے نام بھی مسلمانوں جیسے ہونگے جب اُنکے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ تو وہ اپنے بچے کو میوہ منڈی میں لے جاتے تھے۔ بچہ جتنا دل چاہے اتنا پھل روزانہ اٹھا لاتا تھا۔ مگر کسی بھی ارائیں نے اس کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ میرے دل میں ارائیں قوم کی بہت عزت ہے۔ کیونکہ میری ایک رشتہ کی بہن الراعی کے ہاں بیاہی ہوئی ہے۔ اس لئے ارائیں بچے مجھے ماموں کے نام سے پکارتے ہیں۔ میرے ماموں شیخ عبدالرحیم بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ جو کہ آج کل لائل پور میں ہیں جب کہ میرے گھر والے یعنی میرا بھائی اور اس کا والد اور میری بھاوجہ نے تنگ کیا۔ تو میں نے ماموں جی کو سارا ماجرا سنایا۔ شیخ صاحب نے فرمایا۔ کہ دیکھو! خادم مصطفےٰ صرف تین کپڑوں میں میرے ہاں لائل پور چلے آؤ۔ علاحدہ کمرہ غسلخانہ اور باقی ضروریات زندگی میرے ذمہ۔ شیخ صاحب نے ابتدائی تعلیم

رودٹا ٹٹا بٹالہ لاہور اور علی گڑھ میں پائی۔ آپ نے وکالت پیلی بھیت (یو۔پی) میں شروع کی۔ یو۔پی میں وکیل کو مولوی کہتے ہیں۔ لہٰذا آپ پیلی بھیت میں مولانا کہلاتے رہے۔ آپ اسی ضلع کی کانگرس کمیٹی کے پریذیڈنٹ تھے۔ ایکدفعہ پیلی بھیت کے اسٹیشن ماسٹر نے کانگرس کے رضاکاروں کو بغیر ٹکٹ پکڑ لیا۔ آپ نے اسٹیشن ماسٹر کو کہا۔ کہ انکو چھوڑ دیویں۔ مگر وہ نہ مانا۔ چند دنوں کے بعد مدن موہن کرم چند گاندھی ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا شوکت علی کسی ریل گاڑی سے پیلی بھیت گزر رہے تھے۔ یونہی گاڑی اسٹیشن پر ٹھہری۔ اور انجن گاڑی سے کٹ کر پانی پینے کے لئے گیا۔ تو سب لوگ آخر کے ڈبے کے آگے لائن پر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ جب تک ہمارے لوگ اور ان کے ساتھی پیلی بھیت میں ایک رات جب تک مہمان نہ ہونگے۔ تب تک گاڑی کو انجن نہیں لگ سکتا۔ اسٹیشن ماسٹر بہت گھبرایا۔ اور شیخ عبدالرحیم صاحب کو ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگا۔ کہ مولانا ان لوگوں سے کہیں کہ گاڑی کا انجن گاڑی سے لگنے دیں۔ تاکہ گاڑی چل سکے۔ آپ نے کہا۔ کہ بھئی خود جا کر کہو۔ اور رضاکاروں کا بغیر ٹکٹ کے چالان کرواؤ۔ اسٹیشن ماسٹر سمجھ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ حضور میں نے تو صرف دس روپے ان سے وصول کئے تھے۔ اور وہ بھی سرکاری خزانہ میں چلے گئے۔ یہ لیجئے گا سو روپیہ کا نوٹ یہ میری طرف سے کانگرس کو چندہ دے دیویں۔ شیخ صاحب اسی وقت گاندھی جی کے ڈبہ میں گئے۔ اور کہا۔ کہ آپ ان لوگوں کو درشن دیں تاکہ گاڑی چل سکے۔ اور منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ اس پر

گاندھی جی اور سب لیڈر پلیٹ فارم پر اترے تو آپ نے ان سب لوگوں کو آواز بلند کہا۔ کہ مہاتما جی باہر آ گئے ہیں۔ آپ سب لوگ ان سے مل لیں۔ سب لوگ اُن کی آواز سنتے ہی گاندھی جی کی طرف چل دئیے۔ انجن گاڑی کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ گاڑی چل پڑی۔ یہ واقعہ ۱۹۲۲ء کا ہے۔ اس کے بعد شیخ صاحب نے ڈپٹی کمشنر کو درخواست دی۔ کہ مجھے پنجاب میں وکالت کرنے کی لاہور ہائی کورٹ سے اجازت دلائی جائے۔

ڈپٹی کمشنر نے درخواست پر سفارش کی۔ جو حسب ذیل ہے۔

مجھے انتہائی خوشی ہوگی۔ کہ اگر شیخ عبدالرحیم صاحب میرے ضلع سے باہر چلے جائیں اور گورنر یو۔پی شکریہ کا کلمہ پڑھے گا۔ اگر شیخ صاحب ان کے صوبہ سے الگ ہو جائیں۔ کیونکہ شیخ صاحب گورنمنٹ یو پی کے لئے معمہ بنے ہوئے ہیں۔ بتلائیے جس کی پر درخواست ایسے ریمارکس ہوں۔ اس شخص کو کونسی گورنمنٹ اپنے علاقہ میں گھسنے دیتی ہے۔ لاہور ہائیکورٹ سے درخواست نامنظور ہو کر واپس آ گئی۔ شیخ صاحب نے ڈپٹی کمشنر کے ایسی انگلی کی۔ کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ دوبارہ درخواست دی۔ تو ڈپٹی کمشنر نے شیخ صاحب سے کہا۔ کہ مولانا جو کچھ آپ نے درخواست پر مجھ سے لکھوانا ہے۔ وہ ٹائپ کروا کر لے آویں۔ میں نیچے دستخط کر دوں گا۔ آپ ۱۹۲۳ء میں بٹالہ تشریف لے آئے۔ چند ماہ بعد امرتسر میں وکالت شروع کر دی۔ آپ بلا مقابلہ میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ بعد میں نامزد ممبر ہوئے۔ وائس پریذیڈنٹ ہوئے۔ میونسپل کمیٹی امرتسر کے ایگزیکٹو آفیسر اور سیکرٹری کوآپریٹو بنک بھی رہے۔ ان کی بیوی یعنی مامی جی اور ماموں جی میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ مامی جی جیسی مامی آپ نے بہت کم دیکھی ہوں گی۔

چھوٹا سا واقعہ میں بیان کئے دیتا ہوں۔ لائل پور میں ایک رات حسب عادت میں ملک مہر خاں کا گانا سن رہا تھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے سازندوں اور طوائف نے کہا۔ کہ ڈاکٹر صاحب ہمیں بھوک لگی ہے۔ میں نے پانچ روپیہ کا نوٹ ان کو دیا۔ کہ کچھ کھانے کیلئے لے آئیں۔ مگر دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ فوراً اپنی کار میں ان سب کو بٹھا کر ماموں جی کے گھر لے آیا۔ ماموں جی نے حکم دیا۔ کہ ان سب کے لئے چارپائیاں مہیا کرو۔ اور مامی جی رات کے بارہ بجے چھ آدمیوں کو کھانا تیار کر کے کھلایا۔ ایکدفعہ امرتسر میں مجھے دوستوں کی فرمائش

تھی۔ میں مامی جی کے ہاں گیا۔ (یہ واقعہ اگست ۱۹۲۷ء کا ہے) وہ بیٹھی ہوئی تھیں میں اندر گیا۔
تو ایک برتن میں تقریباً چھ سات سیر گھی پڑا ہوا تھا۔ گھی کو دیکھتے ہی واپس لوٹ آیا۔
دو تین منٹ مامی جی سے باتیں کیں۔ پھر باہر چلا گیا۔ میں اپنے ایک دوست چوہدری
داود بخش کے ہاں گیا۔ میں نے کہا۔ بھیا ایک چوہا چاہیئے۔ اس نے کہا۔ ایک کیا
سینکڑوں! ایک مرا ہوا چوہا چھپا کر میں پھر مامی جی کے گھر لوٹ آیا۔ اور مامی جی
کے پاس بیٹھ گیا۔ جب اندر سے کچھ برتنوں کا کھڑکا ہوا۔ تو مامی جی نے کہا۔
خادم مصطفٰے! دیکھو! اندر کیا ہوا ہے۔ میں اندر جا کر ایک علاحدہ کٹورے میں ذرا
سا گھی ڈالا۔ اور اس میں چوہا ڈبو دیا۔ وہ گھی سے لتھڑا پتھڑا پونچھ سے پکڑ کر مامی جی کے سامنے
لایا اور کہا۔ کہ مامی جی چوہا گھی میں گر گیا ہے۔ یہ پہلا تھا دوسرا گرنے والا تھا۔ کہ میں چلا گیا۔
مامی جی نے کہا۔ بیٹے! خادم مصطفٰے اب کیا کیا جائے۔ مامی جی اب یہ گھی نجس ہو گیا۔ اس
کو باہر پھینک دینا چاہیئے۔ لائیے میں گندے نالے میں پھینک آتا ہوں۔ مامی جی نے
کہا۔ جلدی کرو۔ میں نے گھی کندھے پر اٹھایا۔ اور بازار میں اپنے ایک دوست دکاندار
سنار رحل کٹڑہ بھنگیاں کے ہاتھ پانچ روپیہ کو فروخت کر دیا۔ برتن واپس لایا اور ایک دونی
مامی جی سے اور بھی اینٹھ لی۔ مامی جی والدہ ماں بیگو مجھے ہمیشہ چاندی کی دونی دیا کرتی تھیں
ماں بیگو فوت ہو چکی ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام۔

ایک دفعہ میں نے مامی جی سے کہا۔ مامی جی یہ جتنے عزیز رشتہ دار اور آپ اگر میری
زندگی میں فوت ہو جائیں۔ تا کہ سب پر سلام بھیج سکوں۔ نہیں تو کون بھیجیگا۔

رشتے داری کے ناموں کا انگریز نے بالکل صفایا کر دیا ہے۔ نہ کوئی سالہ رہا۔ نہ کوئی
بہنوئی نہ کوئی ماموں رہا۔ نہ کوئی چچا۔ سالے اور بہنوئی کا مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔
ہوٹل میں دو راجاؤں کی آپس میں کسی نے ایک دوسرے کی ملاقات کرائی۔ اور کہا
گیا۔ کہ یہ مہاراجہ صاحب فلاں مہاراجہ کے برادر ان لا
(Brother in law) ہیں۔ وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ کہ حضور میں
بہنوئی ہوں سالہ نہیں ہوں۔

عاشق

عاشقوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

پہلے سبز رتی چپے۔ معشوق کو کوئی پتہ نہیں۔ کہ فلاں میرا عاشق ہے عاشق جب معشوق کے سامنے سے گذرتا ہے۔ تو اپنے ہاتھ چپکے سے اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہے۔ تاکہ اس کی اداؤں [illegible] کی بابت [illegible] ہیں۔ کہ سوتے ہوئے کا منہ چومنا۔

دوسرے [illegible]۔ اس قسم کا عاشق اپنے معشوق کی کوئی [illegible] ہر [illegible] مگر معشوق کو اس عاشق کا [illegible] پتہ نہیں ہوتا۔

تیسرے لفنگے۔ جو زور کے زور سے معشوق کو تابع کر لیتے ہیں۔ اس قسم کے عاشق انگریزوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور عرب ممالک کی کہانی آپ پڑھ چکے ہیں۔

چوتھے ترشنگے۔ یعنی معشوق اپنے عاشق پر عاشق ہوتا ہے۔ اور معشوق لئے روپیہ بھی دیتا ہے۔ طوائفوں میں ایسے عاشق عام ہوتے ہیں۔ یہ عاشق اپنے معشوق کو مارتے بھی ہیں۔ دیکھئے یہ کتنا عجیب شعر ہے

اسی عاشق دیاں پور ہاراں۔ [illegible] تے [illegible]

یعنی جس پر معشوق عاشق ہے، وہ خوش قسمت ہے یعنی اس کے وارے
کے نیارے۔

پانچویں تخت پوشیے۔ یعنی معشوق عاشق سے جھوٹا وعدہ کر جاتا ہے
گر وہ واپس نہیں آتا۔ اس قسم کے عاشق اس کے گھر کے سامنے
دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کہ کبھی تو آئے گا۔

چھٹے۔ اردگھمیے۔ ایسے عاشق جو اپنے معشوق کے ارد گرد چکر لگاتے
رہتے ہیں۔ اور اس کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔

در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را (حافظ)

معنی۔ اگر تمہیں پسند نہیں کہ ہم معشوق کی گلیوں سے گذریں تو
میری قسمت کو بدل دے۔

اس وں رہندے آں جنگل بیلے
جتھے رہندے نے شیر بگھیلے

ہم جنگل بیاباں میں رہتے ہیں۔ جہاں پر شیر اور چیتے رہتے ہیں۔

[illegible] دے پیر چبھ گیاں کھاراں
بکے چھپے کیہڑے اندراں ایہناں دکھیاں توں تن من واراں

پیارے کے پاؤں [illegible] کانٹے چبھ گئے ہیں۔ آور آپ [illegible] ہیں۔

تھوڑی زہر کھاداں گے۔ آپے مر جاداں گے

اللہ بخش بھئی بہت خوار آیں ایہناں سوہنیاں توں

ہم تھوڑی زہر کھا کر مر جائیں گے۔ اللہ بخش حسینوں سے عشق کرنے سے ہر شخص خوار ہوتا ہے۔

کرنا کھریاں باتاں بھئی سن بس کے ہوشیار رہو

اندھیریاں آسن راتاں بھئی نہ بدر بخش ۱۹۵۱ بیدار رہو

میں بالکل صاف صاف باتیں کرتا ہوں۔ میری باتیں سن۔ ہوشیار رہو جب اندھیری راتیں ہوں تو خبردار رہو۔

مسئلہ نہیں کتاب دا ایس شرع دا پند دی وِچ

عشق مسائل اور شرع اور مذہب کی پرواہ نہیں کرتا۔ عشق ہر قوم کا علاحدہ علاحدہ ہے۔ جاپان میں عاشق خودکشی کر لیتا ہے۔ انگریز عاشق بیچھے بیچھے پھرتے ہیں۔ فرانس میں عشق غائب۔ ایران میں عاشق کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں۔

۷ عاشقاں را سہ نشانی اے پسر

آہ سرد۔ رنگ زرد۔ چشم تر

اے میرے بیٹے عشق کی تین نشانیاں ہیں۔ ٹھنڈی آہ بھرتا ہے اس کا رنگ زرد آنکھوں میں آنسو رہتے ہیں۔

مگر پنجابی عاشقوں کی ساری اقسام ہیں

تن بیٹا فقیر اندر سے ہار ایمان نوں

گل چولا کمخواب دیکھ سوہنے تن نے دریج

یعنی ایمان کی قسم ہے۔ تمہارے لئے فقیر ہو گیا ہوں۔ جب میرا معشوق کمخواب کی اچکن پہنتا ہے۔ تو بہت بھلا معلوم ہوتا اگر کوئی شخص اپنے ہم جنس پر عاشق ہو جائے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ وہ اس سے ضرور کوئی برا کام کرتا ہے۔ سچی محبت تو نہایت پاکیزہ چیز ہے۔ اپنے ایک دوست اللہ بخش کی کہانی سناتا ہوں۔ سائیں اللہ بخش جو درمیانے درجے کے زمیندار ہیں۔ ایک سکھ لڑکے پر عاشق ہو گئے۔ لڑکا ان کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ واقعی وہ بہت خوبصورت تھا۔ ایک روز اس لڑکے نے سائیں سے کہا۔ کہ میں کل سے آپ کے پاس نہیں آیا جایا کروں گا۔ سائیں صاحب پوچھنے لگے کیوں کیا مقصود ہے؟ لڑکے نے جواب دیا۔ کہ سائیں جی! میرے ہم عمر لڑکے اور عام لوگ مجھے طعنے دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ تیرے سائیں سے ناجائز تعلقات ہیں۔ سائیں صاحب کہنے لگے۔ کہ ٹھہر جاؤ ذرا اندر ہو آؤں۔ ابھی آتا ہوں۔ سائیں صاحب کمرے کے اندر گئے۔ اور استرے سے اپنی شرمگاہ کا حصہ کاٹ کر لڑکے کے حوالے کیا۔ اور

کہا کہ ان سب لوگوں کو دکھا دو۔ جنہوں نے تمہیں طعنے دیئے ہیں۔ سائیں صاحب بذات خود بہت بڑے طبیب ہیں۔ فوراً مرہم لگائی۔ اور برف کے پانی کے ساتھ پٹی کی۔ اور آرام آگیا۔ مگر پیشاب کی تکلیف رہی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ پنجابی غزل لکھی۔

ایہناں سوہنیاں توں تن من واراں
تسیں ڈھونڈاں وچ بازاراں

یعنی۔ ان حسینوں کی خاطر میں نے سب کچھ قربان کر دیا جناب ہیں ہوں یا مدینہ بدر میں۔

کتھے تسیں رہندے او کتھے تسیں بہندے او
اساں ہند سندھ بھیجیاں نے تاراں

آپ کہاں رہتے ہیں اور کہاں بیٹھتے ہیں۔ ہم نے تمام ہندوستان اور سندھ کے علاقے میں تاریں بھیجی ہیں۔

نکے چھپے کپڑے اندراں
ایہناں سوہنیاں توں تن من واراں

ساتواں شور مچا دیئے۔ یعنی وہ عاشق جو معشوق کو بدنام کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کو کہتے پھرتے ہیں۔ کہ میں اس کا عاشق ہوں۔ میں مر گیا۔ دوستوں میں کھانا نہیں کھاتا۔ دوستوں اور غیروں کی منتیں کرتا

ہیں۔ کہ خدا کے واسطے میرے معشوق کو سنائیں۔ اور میری سفارش کریں۔ معشوق بے چارہ عاجز آجاتا ہے۔ کبھی کبھار۔ دوستوں کے سامنے افیون بھی کھا لیتا ہے کبھی کوئیں میں اتر جاتا ہے۔ ان عاشقوں میں میرے پیارے دوست لیفٹیننٹ کرنل اصغر حسین شاہ صاحب بھی شامل ہیں۔ اور ہمارے ملک کے مایۂ ناز شاعر۔ جگر مراد آبادی بھی ان میں شامل ہیں۔ انہی کا شعر ملاحظہ ہو۔ ؎

لطف سے یا قہر سے ہوں گے کبھی تو روبرو
ان کا جہاں پتہ لے شور وہیں مچائے جا۔ جگرؔ

مگر ایسے عاشق و معشوق آپ نے کبھی نہیں دیکھے ہوں گے ٹبالہ میں ایک پنجابی شاعر جن کا تخلص بے دل تھا۔ اور نام عبد الرحمان تھا۔ یہ سنہ ۱۸۹۰ء کی بات ہے۔ ان کا قد ۲½ فٹ ان کی معشوقہ تورا ہے میں کام کرتی تھی۔ معشوقہ کی اونچائی ۵ فٹ ۱۲ انچ تھی۔ اور چھاتی ۸ ۴ انچ چوڑی تھی۔ ایک دفعہ استاد بے دل اپنی معشوقہ کی طرف جا رہے تھے۔ تو ایک شخص نے پوچھا۔ استاد اتنے بن سنور کر کہاں جا رہے ہو۔" استاد تو بولے نہیں۔ مگر ایک تیسرا شخص بولا۔ "آج بگڑا توپ چلائے گا۔" ہمارے اڈکاڑہ میں بھی تین ایسے عاشق و معشوق زندہ ہیں۔ عنایت المعروف چھوٹی دنیا قد ۳ فٹ ۰ انچ

وزن ۵ من ۳ سیر ۷ چھٹانک ۳ تولہ معشوقہ کا نام خورشید بی بی ہے۔ لمبائی ۵ فٹ ۹ انچ چھاتی ۵۰ انچ کولہے ۵۲ انچ کمر ۳۰ انچ شام کو جب چھوٹی سی دنیا بڑی دنیا کے ہاں ہوتی ہے۔ تو لوگ ہنستے ہیں۔ کہ ٹوپ چلائیگا۔ اگر طوطے سے توپ نہ چھپے۔ تو جو ناصری ہوئی بوری پڑنا پڑے گا۔ چھپکلی شہتیر سے بغل گیر ہوگی۔ اور ہرا بھینس پر کود گئی سب سے اچھے بیلں نے جو عاشق و معشوق دیکھے ہیں سمجھدار المعروف نخفا ان کی آشنا کا نام موری ہے واقعی چال مور کی سی ہے۔ آنکھیں کالے انگور گورے رخسار جیسے کانیری سیب اور ہونٹ کسوٹی میں بنی اور حقے کی نلی۔ سرو قد اور آواز کوئل جو بھی نیفے کا قد تین فٹ ہے۔ خط جب آپس میں لکھتے پڑھتے ہیں پتہ ہی پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں نے سوتی پردے ہیں۔ جوڑا بہت ہی خوش نصیب ہے۔

اوکاڑہ کے ایک اور عاشق و معشوق ہیں۔ عاشق کا نام دینا ہے۔ قد ۶ فٹ ۹ انچ اور معشوق کا قد ۲ فٹ ۷ انچ ہے معشوقہ ان کی انگلی پکڑ کر چلتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ باپ اور بیٹی جا رہے ہیں۔

سیّد ولی حسین شاہ صاحب

آپ میرے پیارے دوست سید اولاد حسین کے بھتیجے ہیں۔ اور امیر علی شاہ صاحب کے فرزند ارجمند ہیں۔ سید امیر علی شاہ صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ ان کے جدّ امجد سید حیدر امام اور ان کے بھائی مصطفیٰ ۱۲۶۵ء میں مصطفیٰ آباد تشریف لائے۔ سید حیدر امام نے اپنے چھوٹے بھائی کے نام مصطفیٰ آباد کا نام رکھا۔ آپ امام تقی کی اولاد سے ہیں۔ اکبر کے زمانے میں حیدر امام صاحب کو جاگیر عطا ہوئی۔ سید اولاد حسین شاہ صاحب ہر سال مجھے ایک جنس عطا فرمایا کرتے ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اُن کو صحت عطا فرمائے۔ باوجود امیر ہونے کے میرے ساتھ بہت بے باقاعدہ باتیں کرتے ہیں۔ گالی گلوچ تو ملتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے ذہین اور حاضر جواب میں نے کم دیکھے ہیں۔ دوستوں کے دوست۔ ایک دفعہ میرے ہاں آپ اوکاڑہ تشریف لائے۔ تحصیل میں مجسٹریٹ سے کوئی کام تھا۔ مجھے ساتھ لے گئے۔ اور فرمانے لگے۔

کہ اس دست آویز کی تصدیق کروانی ہے۔ میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب تحصیل میں داخل ہوئے۔ تو میں اولاد حسین صاحب کو عدالت کے کمرے کے باہر کرسی پر بٹھا کر میں کمرے کے اندر چلا گیا۔ میاں مقبول صاحب اس وقت کے ریذیڈنٹ مجسٹریٹ تھے میں نے میاں صاحب کے کان میں کہا۔ کہ حضور اپنے چپڑاسی کو کہیں۔ کہ باہر ایک شخص لارڈ شاہ کو آواز دے۔ اور آپ کے سامنے پیش کرے۔ تب چپڑاسی کو بلایا۔ اور اس نے باہر جا کر باواز بلند کہا۔ کہ چل بھئی کوئی لارڈ شاہ ہے! ہے کوئی لارڈ شاہ! اولاد حسین شاہ صاحب کرسی سے اٹھے۔ اور چپڑاسی کو فرمانے لگے۔ کہ جناب حاضر ہوں۔ کیونکہ سید اولاد حسین شاہ صاحب ضلع منٹگمری کی بڑی شخصیتوں میں سے ایک شخصیت ہے۔ اور ضلع کے تمام اہل کاروں کو جانتے ہیں۔ جونہی چپڑاسی نے شاہ صاحب کی طرف دیکھا۔ تو بھاگ گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اب شکایت ہو جائے گی۔ مر گئے۔ میں عدالت کے

کمرے میں ہی میاں صاحب کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ جونہی اولاد حسین شاہ صاحب عدالت کے کمرے میں آئے۔ تو میاں صاحب نے فوراً شاہ صاحب کو کرسی عطاء کی۔ اور فرمانے لگے۔ کہ شاہ صاحب یہ ساری شرارت ڈاکٹر خادم مصطفیٰ کی ہے۔ شاہ صاحب فرمانے لگے۔ کہ میاں صاحب، یہ ڈاکٹر بہن کا بیٹا ہے۔ فوراً دستاویزیں تصدیق کر دی گئیں۔ اور جاتی دفعہ جس چپڑاسی نے آواز لگائی تھی۔ اس کو بلوایا۔ اور اس کو پانچ روپیہ انعام دیا۔ ایک دفعہ نیشنل بنک والوں نے کہا۔ کہ آپ تحصیلدار سے فلاں فارم کی تصدیق کروا لائیں۔ میں اولاد حسین شاہ صاحب کو میاں وزیر علی صاحب جو اس وقت اوکاڑہ کے تحصیلدار تھے۔ کے پاس لے گیا۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ آیئے ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے کیسے تشریف لائے۔ میں نے عرض کی۔ کہ میاں صاحب یہ میرے دوست ہیں انکا ایک فارم

کی تصدیق زبانی ہے۔ میاں صاحب نے فارم کی تصدیق کر دی اور ان کا بیان لکھنا شروع کر دیا۔ جب میاں صاحب نے نام پوچھا تو میں نے کہا۔ ان کا نام لاڈو شاہ ہے۔ میاں صاحب نے لاڈو شاہ لکھ دیا۔ سید اولاد حسین شاہ صاحب نے کہا۔ نہیں صاحب میرا نام اولاد حسین ہے۔ المعروف لاڈو شاہ ہوں۔ میاں صاحب نے جواب دیا۔ کہ چونکہ خادم مصطفیٰ نے لکھ دیا ہے۔ کہ آپ لاڈو شاہ ہیں۔ لہذا میں لاڈو شاہ ہی لکھوں گا۔ بیان تصدیق کر دیے گئے۔ لہذا سید شبیر شاہ۔ ولی حسین شاہ۔ عزیز شاہ میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔

نواب زادہ محمد یحییٰ

آپ کے جد امجد محمد بن قاسم کے ساتھ تشریف لائے۔ اور ان کا شجرہ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے آپ حسنی بھی ہیں۔ اور حسینی بھی۔ یعنی نجیب الطرفین سید۔ مگر کبھی اپنے نام سے پہلے سید نہیں لکھتے۔ ہمیشہ شیخ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ سید کا سا اخلاق موجود ہے۔ میں نے بھی یہ دیکھا ہے۔ کہ باوجود سید ہونے کے اپنے آپ کو

سیّد نہیں کہلاتے۔ مثلاً خان سعید الدین خاں ڈپٹی کلکٹر مُلتان
سیّد کی بجائے خان لکھتے ہیں۔ اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔
فقیر خاندان سیار کی بجائے فقیر لکھتے ہیں۔ اور فقیر ذکاء الدین صاحب
ایک دفعہ فرمانے لگے۔ خادم مصطفےٰ مجھے سیّد کی بجائے فقیر
کہا کریں۔ میں فقیر لکھنا اور سننا پسند بھی کرتا ہوں۔ اور فخر بھی کرتا ہوں
شیخ محمد ابراہیم والئے شیر گڑھ ہمیشہ اپنے آپ کو شیخ لکھتے تھے۔
ایک دفعہ نواب زادہ صاحب مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ خادم مصطفےٰ
میری شادی عنقریب ہونے والی ہے۔ میں نے عرض کی جناب شادی
پر حاضر بھی ہوں گا۔ اور سہرا بھی لکھ کر لاؤں گا۔ اور کتاب میں
شائع بھی کر دوں گا۔ چونکہ کتاب پہلے شائع ہو رہی ہے۔
اسلئے سہرا تیسری جلد میں شائع کر دوں گا۔ آپ میری
ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ آپ ادیب بھی ہیں اور ادیب نواز
بھی ہیں۔ میرے مسودے کی تصحیح فرمایا کرتے ہیں۔

وہم

دُنیا کی تمام قومیں جن سے میں ملا ہوں ۔ وہمی ہیں ۔ یورپ میں تمام کے تمام توہم پرست ہیں ۔ ان میں چھوٹے اور بڑے لوگ سب شامل ہیں ۔ اگر لندن کے کسی بازار میں دیوار کے ساتھ سیڑھی لگا دیں ۔ تو پانچ کروڑ بارہ لاکھ انگریزوں میں سے ایک انگریز بھی دیوار کے ساتھ سیڑھی کے نیچے سے نہیں گذرے گا ۔ تیرہ کا حرف منحوس سمجھا جاتا ہے ۔ مگر پاکستان اور ہندوستان میں تین کا تین کو تین کانے سے مخاطب کرتے ہیں ۔ یعنی کچھ نہیں ۔ اس کے برعکس صدر ڈیوٹ آئزن ہاور (D. Wight Eisnhow) المعروف ایکی (IKE) تین کے لفظ کو اپنے پورے نام پر ترجیح دیتا ہے ۔ .. کوئی انسان کو ایکی (IKE) کے نام سے مخاطب کرتا ہے ۔ تو صدر خوشی محسوس کرتا ہے ۔ کیونکہ اس کی قسمت کا نمبر تین ہے ۔ اس کے برعکس سات کے حرف سے ڈرتا ہے اگر ڈاکٹر بھی یہ کہہ دے کہ پریزیڈنٹ صاحب سات گھنٹے سوئیں اس کے جواب میں پریزیڈنٹ یہ کہے گا ۔ چھ گھنٹے یا آٹھ گھنٹے کیوں نہیں ۔ ہندو جمع بلی کی شکل منحوس سمجھتے ہیں ۔ میرے پیارے دوست

اور مہربان رمضان بخش سب انسپکٹر پولیس جو کہ بہت دیانتدار افسر ہیں۔ ٹمانک کے حرف کو برا سمجھتے ہیں۔ اگر ان سے کوئی کہے کہ گیارہ تاریخ کو آجاؤں۔ تو کہینگے۔ کہ دس کو تاریخ کو آجانا یا بارہ کو آجانا۔ میں نے ایک دفعہ ان سے عرض کی۔ کہ گیارہ کتابیں چھوڑ جاؤں۔ تو فرمانے لگے۔ بیس کتابیں چھوڑ جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ انیس کتابیں ہیں۔ تو کہنے لگے۔ تو پھر اٹھارہ چھوڑ جاویں۔ ہندو علی الصبح بلی کی شکل دیکھنا منحوس سمجھتے ہیں۔ ہاتھی کا نام نہیں لیتے۔ اگر کسی شہر کے دروازے کا نام ہاتھی دروازہ ہو۔ تو اس دروازے کو ہندو بڑا دروازہ کہے گا۔ انگریز علی الصبح دولوں کو سلام عرض کرتا ہے۔ انگریزوں کی طرح سپین کا ڈکٹیٹر جنرل فرانکو لفظ تیرہ سے بہت گھبراتا ہے۔ کالی بلی سے ڈرتا ہے۔ جمعہ کے دن کو منحوس سمجھتا ہے۔ اور اس کمرے میں نہیں گھستا جس دروازے کا رخ شمال کی طرف ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جرمنی کا ایڈمرل اور جمعہ کے دن کو منحوس سمجھتا ہے۔ مگر مسلمان مبارک۔ مسلمان منگل کے دن کو منحوس سمجھتے ہیں۔ مگر مسجد نبویؐ کی بنیاد منگل کو رکھی گئی۔

ٹیبلو

قارئین! میرے بھی ٹوٹکے پڑھ لیں۔ وقت پر کام آئیں گے۔

(۱) جس شخص کا نام الف ۔ ع ۔ ل ۔ م ۔ ی سے شروع ہوگا ۔ اس کا کاروبار تسلی بخش ہوگا ۔ آمدنی ہوگی ۔ خرچ زیادہ ۔ اس کو دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہیئے ۔ ظاہر اخلاق اچھا ہوگا ۔ بیوی کی جانب رغبت ہوگی ۔

جو نام ب ۔ د سے شروع ہونگے ۔ ترقی ہوگی ۔ بزرگوں سے ملاقات ہوتی رہے گی ۔ منصب مانند دوستوں سے فائدہ ہوگا ۔ ہر کام میں اچھائی اور بھلائی ہوگی ۔ صحت کا خیال رکھیں ۔ آمد و خرچ برابر رہے گا ۔

جو ک ۔ ق سے شروع ہونگے ۔ اس کی آمدنی ہوگی ۔ خرچ زیادہ ۔ اسراف نہ کریں ۔ طبیعت گھبراتی رہے گی ۔ دشمن سے غافل نہ ہوں ۔

ح ۔ ہ والے ناموں کا کاروبار برابر رہے گا ۔ دھوکے سے نقصان پہنچ سکتا ہے ۔ آمد خرچ برابر ۔ انعام تحفے ملیں گے ۔

م ۔ سے شروع ہونے والے ناموں کے کاروبار کی حالات بدستور رہیں گے آمدنی و خرچ زیادہ ۔ پرانے دوستوں سے ملاقات ہوتی رہے گی ۔ عورت سے سکھ اور آرام ملے گا ۔ دل محبت والا ہوگا ۔ بچوں کی جانب سے غفلت نہ برتیں ۔ دشمن مغلوب رہیں گے ۔ دوست

ہمدرد رہیں گے۔

جن کے نام ب پ سے شروع ہونگے تجارتی حالات اچھے۔ آمد۔ خرچ برابر عورت سے رنجش رہے گی۔ امورخانہ داری خاص اچھے نہیں ہوں گے۔

ت۔ س۔ ط۔ سے شروع ہونے والے نام کے خانگی معاملات میں دقت زیادہ صرف ہوگا۔ آمدنی خرچ زیادہ

ن۔ ظ۔ ص۔ اور ل سے شروع ہونے والے ناموں کے کاروبار کا حالات یکساں رہیں گے۔ آمدنی خرچ برابر خون میں حدت۔ دوائیوں کا خرچہ زیادہ مزاج میں تیزی۔ اور دشمنوں سے پیار کرے گا۔

جن کے نام ف سے شروع ہوتے ہیں۔ کاروباری حالت اچھی آمدنی خرچ یکساں جھگڑا ہوتا رہے گا۔ عورتوں سے کوئی خاص اچھے تعلقات نہیں ہوں گے۔

ج خ ۔غ ۔گ ۔ حرفوں سے شروع ہونے والے نام ہر کام میں کامیاب۔ بگڑا ہوا کام خود بخود سرانجام پائے گا۔ اولاد کی جانب سے خوشی ہوگی۔ روپیہ پیسہ عام ہوگا۔ کبھی تنگی نہیں آئیگی ہمیشہ خوشی رہے گی۔ دوستوں کی ملاقاتوں سے خوشی ہوگی۔ صحت اچھی رہے گی۔ ہر ایک دلی عزت کرے گا۔ اس کے دشمن تباہ

دبلی ہو جائیگی۔ قول کا سچا ہوگا۔ بہت مشہور ہوگا۔ بُرد بار ہوگا۔ سخی ہوگا۔
جب تک دنیا رہے گی۔ نام رہے گا۔

ت ث۔ س ش۔ کاروباری حالات مساوی رہیں گے۔
کسی قسم کی گڑبڑ نہیں رہے گی۔ اگر دشمن کا خیال نہ رکھا گیا۔ تو نقصان
ہوگا۔ خون کا چڑھاؤ سر کی جانب سے ہوگا۔

د سے شروع ہونے والے ناموں کے کاروبار کی بجائے نوکری
میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ کسی قسم کا خوف دل و دماغ پر کبھی نہیں
ہوگا۔ مزاج دھیما ہوگا۔ کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ قول کا سچا
ادنیٰ ہمدرد۔ اور ہر ایک کا نیک نیتی سے کام کرے گا۔ کام میں
ایماندار ہوگا۔ عام لوگ اس کے دماغ کو نہیں سمجھ سکیں گے۔
بعض لوگ اسے بُرا کہیں گے۔ وہ غلطی پر ہوں گے۔ ترقی پائیگا

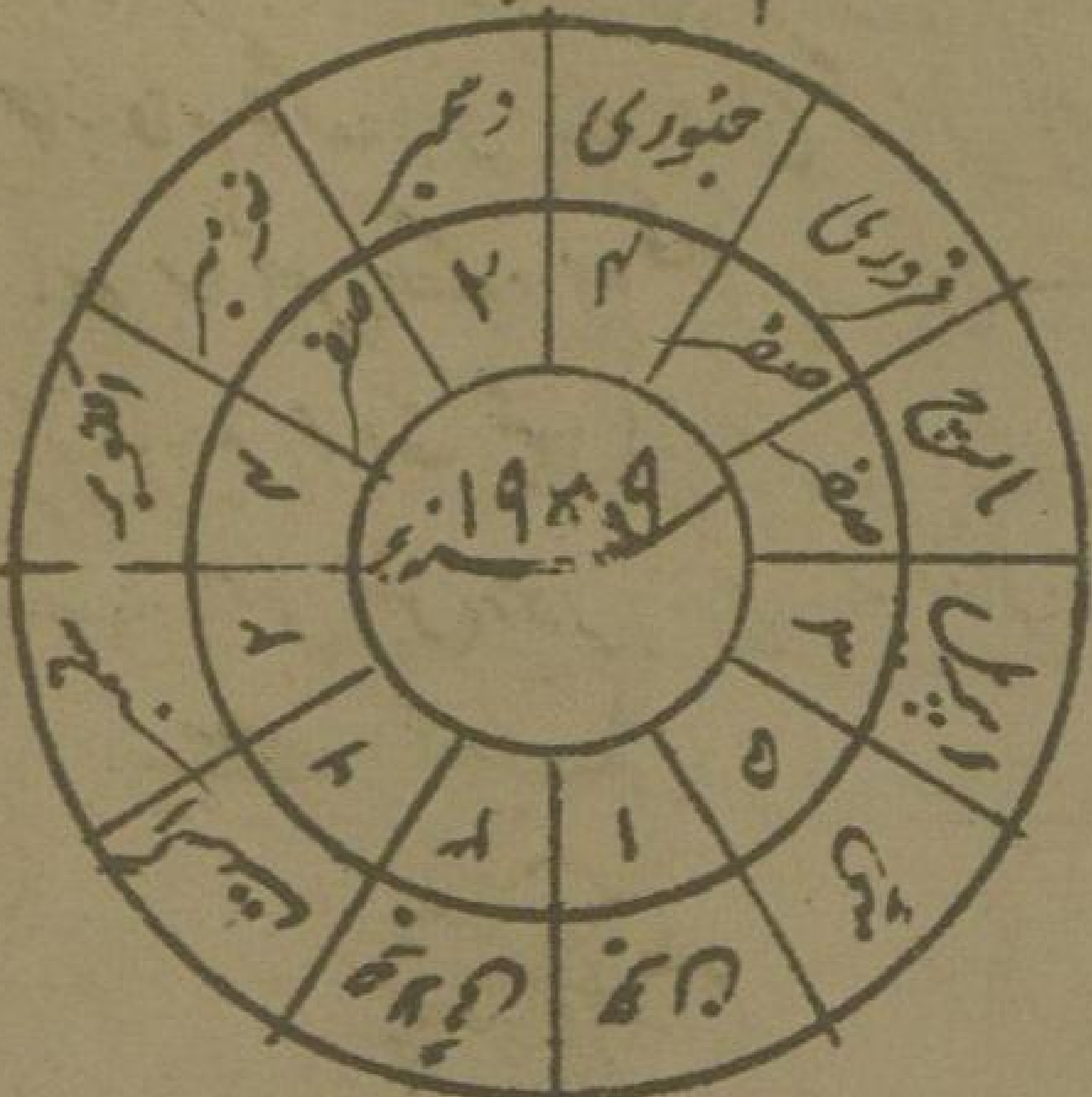
قارئین! میں صرف ٹیوا باز ہوں۔ نبی پیغمبر۔ اوتار
اور عالم الغیب بالکل نہیں ہوں۔ مگر بے مثال وحدہٗ لاشریک
ضرور ہوں۔ یعنی اکیلا



دِن معلوم کرنے کا طریقہ

جس مہینے کی جس تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو۔ اس مہینے کے آگے لکھے ہوئے ہندسے کو اس تاریخ سے جوڑ دیں۔ حاصل جمع کو سات پر تقسیم کریں۔ جو ہندسہ بچے اس ہندسے کو اس نقشے میں دیکھ کر دن معلوم کریں۔

فرض کرو تمہیں یہ معلوم کرنا ہے۔ کہ جنوری کی گیارہ تاریخ کو کون سا دن ہوگا۔ جنوری کے خانے میں چار کا ہندسہ لکھا ہے۔ گیارہ اور چار کو جوڑ دو حاصل جمع ١٥ ہے کو سات پر تقسیم کرو۔ باقی بچا ایک کے آگے دیکھو اتوار



١ = اتوار	٢ = پیر	٣ = منگل	٤ = بدھ	٥ = جمعرات	٦ = جمعہ
		٧ یا صفر = ہفتہ			

میاں عبدالرحمٰن صاحب

میاں عبدالرحمٰن صاحب گوبین راعین ہیں راعین قوم محمد بن قاسم کے ساتھ عرب سے آئی۔ راعین کے معنی نگاہ بان، چرواہا کے ہوتے ہیں۔ واقعی یہ قوم نگاہ بانی کرتی ہے۔ اور چرواہا پیارا لفظ آج تک میں نے نہیں پڑھا۔

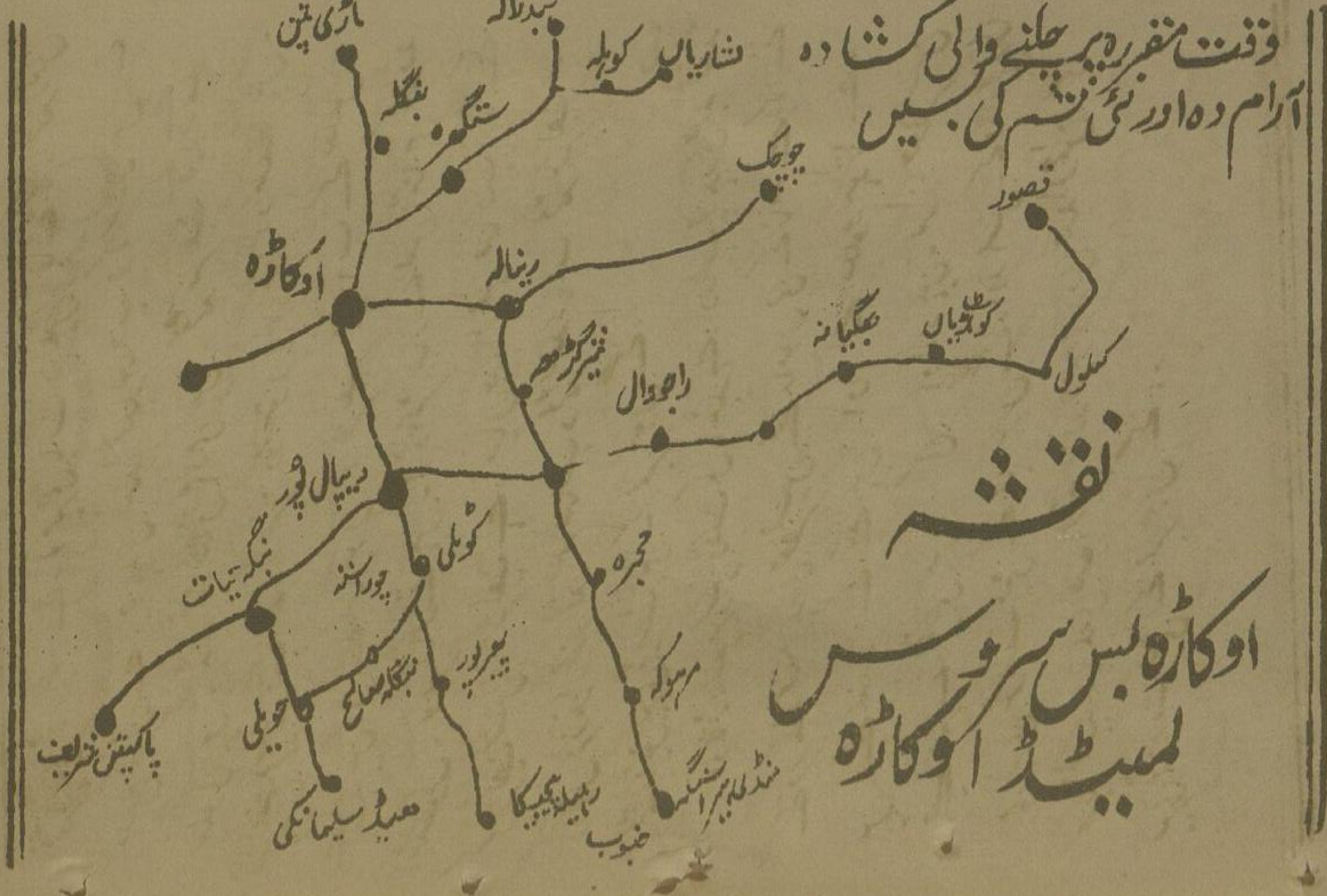
بطحا نگر کی بکری چرا وے اوڑھے کمبل کالا

میاں صاحب اوکاڑہ بس سروس کے منیجنگ ڈائریکٹر ہیں ہر جائز کام کو بہت جلد اور تندہی سے سرانجام دیتے ہیں۔ بچپن میں آپ کے والد ماجد میاں برکت علی صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ میاں برکت علی صاحب پر ہزاروں سلام۔ تو آپ ملٹری کی ملازمت چھوڑ کر کپور شاہ تشریف لے آئے۔ اور اپنی زمین پر کاشت شروع کر دی۔ سب سے پہلے ان کے جدامجد میاں دارے شاہ صاحب آئے تھے۔ ان کے نام پر ایک گاؤں آباد ہے جس کا نام تیگی دارے شاہ ہے۔ اس کے بعد میاں راسے صاحب ملتان سے کپور شاہ تشریف لائے۔ ان سے

نام پر رائے پور بھی ایک گاؤں ہے۔ میاں رائے صاحب جب
کپور تھلہ آئے۔ تو راجپوت مہاراجہ کپور تھلہ کو لگان نہیں
ادا کرتے تھے۔ مہاراجہ نے میاں رائے صاحب سے کہا۔ کہ
جتنی زمین چاہیں لے لیں۔ اور لگان سرکاری دیتے رہیں۔
آپ نے چار مربع زمین گھیر لی۔ میاں عبدالرحمٰن صاحب کو
لوگ چوہدری بھی کہتے ہیں۔ مگر خادم مصطفےٰ ان کو ہمیشہ میاں
کہتا ہے۔ تمام فریضے ادا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے
آپ کو حاجی کہہ دیا۔ تو فرمانے لگے۔ بھئی فلاں نماز پڑھتا ہے
اس کو نمازی کہو۔ جو زکوٰۃ دیتا ہے۔ اُسے زکواتی کہو۔ اور جو
روزہ رکھتا ہے۔ اس کو روزی کہو۔ میں نے میاں صاحب سے
عرض کی کہ حضور روزی تمام طور پر عیسائیوں کی عورتوں کا نام
ہوتا ہے۔ میاں صاحب سن کر مسکرائے۔ اور فرمانے لگے کہ
دیکھو بھئی خادم مصطفےٰ فرض ادا کیا ہے۔ کسی پر احسان نہیں کیا۔
تو پھر یہ لوگ کیوں اپنے نام کے آگے حاجی لکھنا شروع کر دیتے
ہیں۔ ۱۱ دکا ڑہ لسی سروس کے لئے دن رات کام کرتے ہیں۔
اور ملازمان کو اچھی اچھی نصیحتیں کرتے ہیں۔ تاکہ ان کا اخلاق
بلند ہو۔ ویسے عام طور پر ملازمان کا اخلاق اچھا ہے۔ کبھی آپ کو

محمد رفیق ڈرائیور سے ملے۔ تو میری بات کا یقین آجائے گا۔ محمد رفیق مصرع غزل ہے۔ چوہدری عبدالحمید صاحب جو کہ رشتہ میں میرے بہنوئی ہیں۔ بہت با اخلاق آدمی ہیں۔ محمد شریف صاحب پسر فتح محمد صاحب میرے عزیز دوستوں میں عزیز دوست ہیں۔ جب میں ان سے کہتا ہوں۔ کہ شریف بھتیجا آپ کے متعلق کیا لکھوں۔ تو فرمایا کرتے ہیں۔ کہ ڈاکٹر پیارے بس اتنا ہی لکھ دو کہ شریف بس شریف ہے۔ میاں عبدالرحمٰن صاحب اور انکے دونوں فرزندار جمند محمد اسلم صاحب و محمد مسلم صاحب۔ محمد شریف۔ محمد رفیق میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔

اوکاڑہ بس ہر وقت کی پابند ہے۔ اور جب چوہدری عبدالحمید صاحب کے فرزندار جمند چوہدری جعفر حسین مجھے ماموں جی کے نام سے پکارتے ہیں۔ مجھے بہت بھلے لگتے ہیں۔ اور ایسے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میرے حقیقی بہن کی اولاد ہیں۔ لہذا جعفر حسین بھی میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ اور اس کے والد چوہدری عبدالحمید و چوہدری عبدالرحیم برادر عزیز چوہدری عبدالرحمٰن بھی میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔


وقت مقررہ پر چلنے والی کشادہ
آرام دہ اور نئی قسم کی بسیں
نقشہ
اوکاڑہ بس سروس
لمیٹڈ اوکاڑہ
شمال
جنوب
مشرق
مغرب
اوکاڑہ
رینالہ
چوچک
قصور
کوٹھیاں
راجووال
دیپالپور
کوٹلی
حجرہ
حویلی
پیر پور
پاکپتن شریف
منڈی ہیرا سنگھ

نواب زادہ محمد صدیق

آپ کے جد امجد محمد بن قاسم کے ساتھ تبلیغ کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ ملتان سے آپ کے پردادا دِلّی پریڈ گراؤنڈ میں آباد ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کے سب محلات مسمار کر دیئے گئے۔ ان کے خاندان میرٹھ، سکندر آباد اور سوات چلے گئے۔ بعد میں پھر دہلی تشریف لائے۔ ضلع رہتک موضع کوٹ کلاں میں جاگیر تھی۔ دِلّی اور علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ بی۔ اے علی گڑھ سے اور کیمبرج دلی میں کیا۔ اسلامی تاریخ کے ماہر ہیں۔ سوائے ایک غیر کے اور کوئی شعر نہیں آتا۔

میں تو جب سمجھوں گا۔ ہو گیا سجدہ میرا قبول
سر کو میں جب اٹھاؤں تو ہو نظر کے سامنے

واقعی شیخ صاحب کو کوئی شعر نہیں آتا۔ ایک دفعہ آپ نے عدم کا شعر پڑھا۔ ایک مصرعہ پڑھ کر فرمانے لگے۔ کہ خادم مصطفےٰ دوسرا نہیں آتا۔ چال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ اخلاق علی گڑھ یونیورسٹی کا۔

میں ایک دفعہ قاضی محبوب عالم صاحب کا تانگہ لئے ہوئے جالندھر سٹیشن پر گیا۔ جب گاڑی نکل گئی۔ تو میں تانگہ پر واپس جانے لگا۔ تو ایک شخص بستر اور ٹرنک لئے تانگہ تلاش کرتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا۔ کہ صاحب آپ کہاں تشریف لے جائیں گے۔ تانگہ تو اس وقت کوئی نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنے تانگہ میں آپ کی منزل مقصود تک پہنچائے دیتا ہوں۔ فرمانے لگے۔ کہ کوئی جو علی گڑھ یونیورسٹی کا پڑھا ہو۔ مجھے وہاں لے چلیں۔ میں ان کو اپنے دوست جو کہ علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ اُن کے ہاں لے گیا۔ میں نے اُن کو آواز دی۔ جب وہ اپنے مکان سے باہر آئے۔ جن کو میں ساتھ لایا تھا۔ وہ قاضی صاحب کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ دیکھئے صاحب میں علی گڑھ یونیورسٹی کا بی۔ اے یعنے گریجویٹ ہوں۔ محکمہ سینیٹری اکسائیز میں فلاں عہدے پر فائض ہوں۔ یہاں دورے پر آیا ہوں۔ مجھے ایک کمرہ چاہیئے۔ صبح کا ناشتہ کیا کروں گا۔ اور رات کا کھانا کھایا کروں گا۔ پندرہ روز قیام کروں گا۔ قاضی صاحب نے فوراً ایک کمرہ اُسی وقت ان کے حوالے کیا۔ اور ایک نوکر بھی ان کی خدمت کے لئے دیا۔ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے کو یہ پتہ چل جائے۔ کہ فلاں مسلم لیگ ہے۔ تو بس ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ دو نوں ہاں چاہئے ہیں۔ لہٰذا

نواب زادہ شیخ محمد صدیق میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہیں۔

کاتب

کاتب بھی عجیب شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ جو بھی یہ غلطی کریں۔ پڑھنے والے یا تو مصنف کو برا بھلا کہہ دیتے ہیں۔ یا پریس والوں کو کوس دیتے ہیں۔ اور ایسی مزیدار عبارتیں لکھ دیتے ہیں۔ کہ ایڈیٹر وغیرہ سر چھپائے پھرتے ہیں۔

ایک دفعہ گاندھی جی لاہور تشریف لائے۔ روز نامہ بندے ماترم کانگرس کا حامی اخبار تھا۔ گاندھی جی نے کسی اخبار کے نامہ نگار کو ایک بیان دیا۔ جب اس بیان کی کاتب صاحب نے کتابت شروع کی۔ تو ایڈیٹر صاحب سے کاتب صاحب مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ کہ گاندھی جی کا بیان کیا لکھ دوں۔ ایڈیٹر صاحب نہ معلوم کس موج میں تھے۔ کاتب صاحب کو کہنے لگے لکھ دو۔ گاندھی جی کی بکواس" کاتب صاحب نے بکواس لکھ دی۔ علی الصبح پہلے صفحہ پر گاندھی جی کی بکواس" شائع ہو گئی۔ اور پرچہ امرتسر میں بھی بکنا شروع ہو گیا۔ ایڈیٹر صاحب نے

جب اخبار پڑھا۔ حواس باختہ ہو گئے۔ باقی پرچے چھپ رہے تھے پرچوں کی چھپائی بند کرا دی۔ لالہ صاحب کی دھوتی ڈھیلی ہو گئی۔ چوٹی پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ نیوز ایڈیٹر سب ایڈیٹر کو دفتر میں بلوایا گیا۔ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ مگر بکواس چھپ چکی تھی۔ مگر قبلہ کاتب صاحب اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے مسکرا رہے تھے۔ جیسے کچھ ہؤا ہی نہیں۔ مگر اخبار کے سارے عملے کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ اور دل ہی دل میں کہہ رہے تھے۔ کہ جونہی ہم دفتر سے باہر گئے۔ تو عوام جوتوں سے اُن کے سر کا بھرکس کر دینگے۔

اور تو اور منٹگمری ضلع کا واقع ہے۔ کہ ڈسٹرکٹ بورڈ نے اشتہار دلوایا۔ کہ فلاں فلاں ممبروں کو سب کمیٹی کا ممبر نامزد کر دیا مگر کاتب صاحب نے نامزد کی ز کا نقطہ اڑا دیا۔ نامزد کی بجائے نامرد پڑھا گیا۔ یعنی لکھ دیا۔ کہ ڈسٹرکٹ بورڈ کی کمیٹی نے فلاں فلاں آدمیوں کو سب کمیٹی کے لئے نامرد کر دیا ہے۔

بحیرہ قلزم کی بجائے بحیرہ اوقیانوس لکھ دیتے ہیں۔ اگر ایڈوکیٹ لکھنا ہو۔ تو ایڈوکیٹ جنرل لکھ دیتے ہیں۔ اور بی۔ اے کی بجائے پی۔ اے کر دیتے ہیں۔ حبیب اللہ خاں لودھی ایڈوکیٹ ہیں۔ اور ان کے والد ماجد پولیس میں ملازم تھے۔ اور محمد فرخ حسین صاحب

نے بی۔ اے کیا ہؤا ہے۔ اور تو اور ایک دفعہ ایک دیوبندی مولوی صاحب نے لاہور میں پاکستان بننے سے پہلے پاکستان کے خلاف تقریر کی۔ دلی سے جو نامہ نگار خصوصی آیا ہؤا تھا۔ اس نے ایک مسلم لیگی سے پوچھا۔ کہ مولانا کا نام کیا ہے۔ مسلم لیگی نے جواب دیا۔ کہ مولانا کا نام ولدالزنا ہے۔ دلی کے سب اخباروں میں مولانا ولد الزنا چھپ گیا۔ اور لکھا گیا۔ کہ مولانا ولدالزنا نے لاہور میں پاکستان کے خلاف بہت مدلل تقریر کی ہے۔ بعض دفعہ کاتب صفحے کے صفحے چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر مزا یہ ہے۔ کہ کاتب کو کوئی شخص برا بھلا نہیں کہتا۔ ساری ذمہ داری دوسروں پر عائد ہو جاتی ہے۔

راوی ٹرانسپورٹ کمپنی رجسٹرڈ اوکاڑہ

راوی ٹرانسپورٹ کمپنی رجسٹرڈ اوکاڑہ ۱۹۵۵ء میں معرض وجود میں آئی۔ ابتدا میں اس کے پاس صرف سات لاریاں تھیں۔ لیکن کارکنان کی محنت اور دیانتداری سے اب ان کے پاس بارہ لاریاں ہیں۔ جو کہ نئی اور جہازی سیٹوں والی آرام دہ ہیں۔

اس کے منتظمین نہایت دیانتدار، محنت کش اور جانفشانی سے کام کرنے والے ہیں۔ کارکن مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شیخ دوست محمد صاحب ۲۔ حاجی ظہور احمد صاحب

۳۔ چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ۴۔ شیخ عبدالرشید صاحب

روٹ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ اوکاڑہ تا ہیڈ سلیمانکی ۲۔ اوکاڑہ تا بہاول نگر

۳۔ اوکاڑہ تا اٹاری براستہ حجرہ ۴۔ اوکاڑہ تا نور شاہ

ان کے علاوہ اوکاڑہ سے لائل پور اور اوکاڑہ سے منٹگمری بھی جلدی چلنے کی توقع ہے۔ بڑی کامیاب کمپنی ہے۔ تمام نئی کمپنیوں سے ترقی کرنے میں بڑھ گئی ہے۔ اس کے اڈوں میں بہترین قسم کے مسافر خانے تعمیر ہیں۔ جس سے عوام کو بہت آرام ہے عملہ نہایت شریف اور دیانتدار با اخلاق ہے۔ لہٰذا میں چوہدری عبدالرحمٰن صاحب، شیخ دوست محمد صاحب۔ حاجی ظہور احمد صاحب و شیخ عبدالرشید صاحب کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی کا ممبر منتخب کرتا ہوں اور حاجی ظہور احمد صاحب۔ شیخ دوست محمد صاحب اور شیخ عبدالرشید صاحب کا جغرافیہ اوکاڑہ میں ذکر کیا جائے گا۔

نوٹ چوہدری عبدالرحمٰن کے حالات بر صفحہ ۲۲۷ ملاحظہ ہوں

لنڈن کی ملاقاتیں

لنڈن میں سفر کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ ٹرام بسیں ٹیکسیاں، زمین دوز ریلیں، موٹر سائیکل، بائیسکل گاڑیاں، تین پہیوں والے سائیکل اور شاید اب اس ہیلی کوپٹر بھی استعمال ہونے شروع ہو گئے ہوں۔ لنڈن میں آٹھ ہزار چار سو بسیں ہیں۔ اڑتالیس ہزار ڈرائیور کنڈیکٹر ہیں۔ لنڈن کی آبادی ایک کروڑ دو لاکھ ہے۔ روزانہ چالیس لاکھ کے قریب بسیں استعمال کرتے ہیں۔ بذات خود لنڈن کے نام کوئی ریلوے اسٹیشن نہیں ہے لیکن لنڈن اور اس کے مضافات پانچ سو ریلوے اسٹیشن ہیں۔ حادثوں میں جو اموات ہوتی ہیں۔ ان میں چالیس فیصد پیدل چلنے والے مرتے ہیں۔

پاکستان اور بھارت میں ان لوگوں کی موت بہت زیادہ ہے۔ برطانیہ میں سینتالیس ہزار اڑسٹھ پیدل چلنے والوں کی وجہ سے حادثات ہوئے۔ پچپن ہزار چھ سو چھیانوے ڈرائیوروں کی غفلت سے۔ انتیس ہزار سات سو انیس موٹر چلانے والوں کی وجہ سے

پچیس ہزار چار سو تیرہ عام سائیکل گاڑیوں سے ان میں تیرہ ہزار ایک سو سنتالیس ریلوے مسافر بھی شامل ہے۔ لندن کی بسیں قومی بسیں ہیں اور بس یونین میں ایک کروڑ پونڈ چندہ جمع ہے۔ تاریخ ۲۰/۱۰ آپ ہی بتائیں۔ کہ ہندوستان اور پاکستان کی ہڑتال اور ان کی ہڑتال میں کتنا فرق ہوگا۔ وہ ہڑتالیں یقیناً کامیاب ہوں گی۔

حاشیہ ۹:۔ ایک دفعہ یونیسکو U.N.E.S.C.O کا ایک وفد ضلع منٹگمری دیکھنے آیا۔ چوہدری نیاز احمد صاحب سی۔ ایس۔ پی جو کہ اس وقت ضلع منٹگمری کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ مجھے فرمانے لگے۔ کہ ڈاکٹر تمہیں اس وفد کے ساتھ اوکاڑہ تک جانا ہے۔ نیاز احمد جیسا نیک دیانتدار اور قوم کے ہمدرد بہت کم پاکستانی میں نے دیکھے ہیں۔ چوہدری صاحب جب کبھی دورہ پر اوکاڑہ تشریف لاتے تو میں اپنی گھڑی درست کر لیا کرتا تھا کیونکہ وہ وقت کے بہت پابند تھے۔ چوہدری صاحب دیپال پور میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن کے موقع پر مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ ڈاکٹر تمہارا کس پارٹی سے تعلق ہے۔ میں نے عرض کی۔ کہ حضور میں ٹی پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں۔ تمام اہل محفل کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ پھر فرمانے لگے۔ کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں جواباً قرآن پاک کی آیت پڑھی واطیعوا اللہ

وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ حضور مذہب؟ مذہب یہ ہے کہ جو تم میں سے حاکم ہو۔ اسکی تابعداری کرو۔ اور جس حکومت میں رہو۔ اس میں نیک شہری بن کر رہو۔ بہت خوش ہوئے۔ اور پیار سے ایک کرسی عنایت فرمائی۔ میں پاس وفد کے ساتھ موٹر پر سوار ہو گیا۔ پاس وفد کے صدر نے مجھے باتوں باتوں میں کہا۔ کہ پاکستانیوں کو سڑک پر چلنے کی عقل نہیں ہے۔ یعنی روڈ سینس میں نے دل میں کہا۔ کہ سڑک پر چلنے کی عقل تو بہت دور کی چیز ہے۔ ہم میں تو ویسے ہی عقل نہیں ہے۔ میں نے ان سے عرض کی۔ کہ اگر چند ہدایات کے مطابق انسان گاڑی یا موٹر چلائے تو حادثات بہت کم ہوں۔ فرمانے لگے کون کون سے۔ میں نے کہا

اول:۔ تو موٹر ڈرائیور سڑک پر چلنے والے کو بہرہ اندھا اور لنگڑا سمجھے۔ یا خیال کرے۔ اور شہر میں ہارن کا زیادہ استعمال کرے۔ اپنی گاڑی کو بہت آہستہ چلائے:

جو ڈرائیور چھوٹی بدگز سے بڑی سڑک پر جانا چاہے۔ (Minor to major Road) تو چوک کے سرے پر اپنی گاڑی ٹھہر لیجئے۔ اور دائیں بائیں دیکھے۔ اگر کوئی بڑی شاہراہ پر کوئی موٹر یا سواری والی گاڑی آرہی ہو۔ اسے اپنے پیسے سے گذرنے دے۔ اور

بعد میں جس طرف اس نے جانا ہو۔ پھر جاتے۔ جو موٹر کار یا کوئی گاڑی آپ کے آگے جا رہی ہو۔ جب تک کہ وہ آپ کو اشارے سے نہ کہے۔ کہ آپ مجھ سے آگے نکل جائیں۔ اس وقت تک اس گاڑی کے آگے نہ نکلیں۔

تیسرے۔ اگر بچہ سڑک سے گذر رہا ہو۔ تو ڈرائیور کو چاہیئے۔ کہ اس کے منہ کے آگے اپنی گاڑی گذارے۔ جوان شخص ٹھہر کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کے خواہ دائیں سے گذار دیں۔ یا بائیں طرف سے۔ بوڑھا ہمیشہ سڑک کو پار کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو اس کے عقب سے گاڑی کو گذارنا چاہیئے۔

صاحب صدر مجھ سے کہنے لگے۔ آخری باتوں کا مجھ کو بھی علم نہیں تھا۔ ڈاکٹر مصطفٰی تو نے میرے علم میں اضافہ کیا ہے۔ تمہاری بڑی مہربانی ہے۔ میں نے صدر صاحب سے سوال کیا۔ آپ کا ملک ساٹھ سال پہلے کیسا تھا۔ انہوں نے کہا۔ ساٹھ سال پہلے ہمارے ملک میں رشوت عام تھی۔ ووٹ خریدے جا سکتے تھے۔ پولیس اپنے پاس سے ملزم پر سامان ڈال دیتی تھی۔ یعنی Padding گواہ جھوٹے آسانی سے مل جاتے تھے لوگ بہت کم لکھے پڑھے تھے۔ دفاتر تو وقت پر کھل تو جاتے تھے۔ مگر افسر دیر سے آتے اور وقت مقررہ سے پہلے چلے جاتے۔ کھانے والی چیزوں میں ملاوٹ کافی تھی

ماتحت عدالتیں جانبدار ہو جاتی تھیں۔ مگر ہمارے ہائی کورٹ ہمیشہ غیر جانبدار رہے۔ اور سڑکیں بھی کچی تھیں۔ میں ان کی یہ سب باتیں غور سے سن رہا تھا۔ تعجب کر رہا تھا۔ ہمارا ایسا ملک تھا۔ مجھے اپنے دل میں بہت شرم آئی۔ اور ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک جنازہ گذر رہا تھا اور اس کے آگے چند عورتیں بیٹھ رہی تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں۔ ہائے بچہ وہاں جا رہے ہو۔ جہاں روشنی نہیں۔ بالکل تاریکی ہے۔ یعنی نہ دیا ہے نہ بتی۔ ہائے بچہ وہاں جا رہے ہو۔ ہائے بچہ وہاں جا رہے ہو۔ جہاں پر نہ کھٹیا ہے۔ نہ بستر۔ اور نہ ہی سرہانہ۔ ایک چھوٹا سا بچہ اپنے والد کے ساتھ کھڑا تھا۔ اور یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ بچہ اپنے باپ کو مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ آبا اور آبا یہ مردہ ہمارے گھر ہی نہ کہیں آجائے۔ حاشیہ ختم

مگر دنیا میں پاکستان جیسی ٹریفک میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ یورپ میں اگر کبھی بجلی خراب ہونے کی وجہ سے لیمپ بجھ جاتیں تو لندن کے سپاہیوں کے لئے مصیبت آجاتی۔ اور ٹریفک کا کام بالکل رک جاتا۔ کبھی لاہور مال روڈ پہ جائیں۔ اور دیکھئیں۔ کہ سپاہی کس طرح ٹریفک پر کنٹرول کرتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ان سپاہیوں کے ہاتھ چوم لوں۔ ہمارے ٹریفک جو اللہ بندہ ٹھت گوپی چند بالکل رشوت نہیں لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اسسٹنٹ کے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے درخواست کی۔ کہ میں ٹریفک کے کچھ

اصول بنانا چاہتا ہوں۔ جس سے ٹریفک کے حادثات بہت کم ہو جائینگے
سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ان کو بلوایا۔ اور نیلے گنبد والے چوک
میں اس نے ٹریفک کے متعلق نمائش کی۔ صاحب بہادر مان گئے۔
پنڈت گوپی چند کی آواز نادر شاہ اور بگ بیگ دالے B یند B
سے کم نہیں تھی۔ جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور آواز دیتے تھے
تو ان کی آواز لارڈ لاہوری صاحب کے دفتر میں سنائی دیتی تھی۔
یہ ٹریفک کے قوانین اس کے مرہون منت ہیں۔ اور حکم کر دیا۔
کہ ٹریفک والا سپاہی کسی افسر کو سلام نہ کرے۔ اور پولیس کے
افسر آئی جی (Inspector General Police)
وغیرہ گذرتے۔ تو گوپی چند کو سلام کرتے تھے۔

چوہدری عبدالرحمٰن صاحب

از فضل ۲۷

چوہدری صاحب میرے عزیز دوستوں میں سے ایک دوست ہیں آپ جالندھر کے رہنے والے ہیں۔ جالندھر بہت مردم خیز خطہ ہے میں تمام سمندروں کا سفر کیا۔ جہاں سوائے پانی کے کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ تو وہاں چار مربع برابر لکڑی کے اوپر تھامس کک کا اشتہار لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اور دنیا میں جہاں بھی پہنچ گیا۔ تو پہلے اپنے ترجمان کو کہتا [illegible] تھا۔ کہ یہاں کوئی ہندوستانی ہے۔ جب میں اسے ملتا۔ تو یہی کہتا۔ کہ میں جالندھر کا رہنے والا ہوں۔

چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ینگ مین ایسوسی ایشن اوکاڑہ کے صدر بھی ہیں۔ ایف۔ اے لائل پور میں کیا۔ جب پاکستان بننے کے بعد چوہدری صاحب کے پاس رہنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ ٹرک میں ہی گذارہ کرتے تھے۔ پھر بھی اس ٹرک کو خالی کر کے پناہ گزینوں کی امداد کے لئے وقف کر دیا۔ اور روٹی، آٹا کیمپ میں لے جاتے۔ فٹ بال کے بہت اچھے کھلاڑی رہے ہیں۔ رائٹ آؤٹ کھیلا کرتے تھے۔ اور راوی ٹرانسپورٹ کمپنی رجسٹرڈ اوکاڑہ کے کنٹرولر بھی ہیں۔

جب میں کراچی پہنچا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا۔ کہ میرا ایک لنگوٹیا دوست اسحاق بندر روڈ پر کام کر رہا ہے۔ سیدھا اس کے ہاں پہنچا۔ اسحاق میرا پینتالیس سال سے دوست ہے۔ جب میری عمر بارہ سال کی تھی۔ تو میرے ایک بزرگ شیخ محمد شفیع کی لڑکی کنوئیں میں گر گئی۔ میں اس وقت کنوئیں پر موجود تھا۔ میں اس تیزی کے ساتھ کنوئیں میں اُترا کہ میرے ہاتھ کی ہتھیلیوں کی چربی نکل گئی۔ مگر لڑکی کو میں نے ڈوبنے سے بچا لیا۔ مگر میرے پیارے دوست اسحاق نے تو ایک دفعہ حد ہی کر دی۔ ایک قصاب کا بکرا کنوئیں میں گر گیا۔ یہ نکالنے کے لئے اس میں اُترا۔ جونہی اسحاق کنوئیں میں اُترا تو بکرے نے اسحاق پر سواری کر دی۔ اسحاق لگا آوازیں دینے۔ اب بتاؤ۔ رسہ چھوڑوں تو اسحاق غائب۔ نہ چھوڑوں تو ڈوبے۔ میں نے رسے کو دیوار کے ساتھ باندھا اور ایک آدمی کو بلوایا۔ تو اسحاق کی خلاصی ہوئی۔ مگر قصائی اپنے بکرے کو روتا تھا۔ اسے اسحاق کی پرواہ نہ تھی۔ یہ ماجرا اسحاق کی سوتیلی والدہ ماجدہ کو پہنچایا۔ تو فوراً دیگیں چڑھ گئیں۔ کہ خادم مصطفےٰ اور اسحاق کی جان بچ گئی۔ میں نے اور اسحاق نے ماری کا کام بھی

سیکھا ہے۔ بلکہ ایک دفعہ کاسنی والا ضلع گورداسپور میں ٹینٹ لگاکر
اور ٹکٹ لگاکر تماشا بھی کیا۔ بعد میں اسحاق نے لاہور میں بجلی
کا کام بھی سیکھا۔ اور امرتسر میں ان کی سوتیلی والدہ ماجدہ فوت
ہو چکی ہیں۔ دان پر لاکھوں سلام (ان کا ذکر بنام امی جان میں
آئے گا۔) اب اسحاق بہت بڑا امیر آدمی ہے۔ مگر وہ پہلے بھی
ایک بڑے زمیندار تھے۔ اسحاق احمدی خیالات کا مخالف ہے
مگر مجھے کہنے لگا۔ کہ آپ کے مرزا صاحب آج ہی کراچی تشریف لائے
ہیں۔ میں فوراً حضرت مرزا بشیر الدین محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔
جب میں ہندوستان سے انگلستان روانہ ہوا تھا۔ تب ان سے
قادیان میں مل کر گیا تھا۔ اور میں نے دو نئی قسم کا برش ان کو
تحفتہً پیش کیا۔ جو انہوں نے قبول فرمایا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ
خادم مصطفےٰ! تم سفر میں بہت کامیاب رہو گے اور ایسا ہی
ہوا۔ حضرت صاحب صحیح معنوں میں درویش آدمی ہیں سلامت رہیں
کراچی میں میرے مہربانوں میں سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی
میں نے عرض کی۔ کہ حضور میں اپنے وطن واپس آگیا ہوں۔ فرمانے لگے
کون سے جہاز میں آئے ہو۔ اور اس کا کیا نام ہے۔ میں نے
جواباً عرض کیا۔ کہ حضور نام تو آتا نہیں۔ اس کو ڈیٹ بوٹ
Date Boat کہتے ہیں۔ جس کشتی میں آیا تھا۔ اس میں کھجوریں
لدی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کا نام ڈیٹ بوٹ بتایا۔ مسکرا کر

کہنے لگے۔ عجیب بات ہے۔ کراچی میں پندرہ روز ٹھہرنے کے بعد لاہور آگیا۔ اور سیدھا اپنے ایک دوست ڈاکٹر اسمٰعیل کے پہنچا۔ ولایت جاتے وقت انہوں نے مجھے ایک کپڑے کا برش عطا فرمایا تھا۔ جواب بھی میرے پاس ہے۔ بہت تپاک سے ملے۔ اور کھانا کھلایا گھر تار دیا۔ کہ میں میل سے فلاں وقت امرتسر پہنچ رہا ہوں۔ امرتسر پہنچا تو سینکڑوں کی تعداد میں میرے عزیز و اقارب اور دوست اسٹیشن پر میرے استقبال کے لئے تشریف لائے تھے۔ گاڑی سے اترتے ہی میں نے اپنے والد کے سر پہ پاؤں رکھا۔ اور پاؤں چومے۔ دوسرے شخص جو گلے ملے۔ وہ سید اکبر حسین صاحب جعفری تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ کہ میرے لئے کیا لائے ہو میں نے پیرس سے کچھ فرنچ لیدر خرید کر رکھے تھے۔ میں نے چپکے سے ایک فرنچ لیدر ان کی مٹھی میں دے دیا۔ فرانسیسی فرنچ لیدر کو فرانسیسی انگریزی ٹوپی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یعنی (Pato De Anglais) جونہی انہوں نے اس کو دیکھا۔ تو جھٹ اُسے جیب میں ڈال لیا۔ اور کھلکھلا کر ہنسے۔ لوگوں نے پوچھا شاہ صاحب کیا بات ہے؟ آپ ہی بتائیں۔ شاہ صاحب پوچھنے والوں کو کیا جواب دیتے۔ میں چونکہ لڑائی کے دوران میں گھر واپس آیا تھا۔ اس لئے میرے کندھے پر گیس ماسک لٹکی ہوئی تھی۔ سب میرے عزیز و اقارب یہ سمجھنے لگے۔ یہ قرآن شریف لٹکایا ہوا ہے۔

میں خاموش رہا۔ ایک ماہ تک تمام عزیز و اقارب ملنے کے لیے آتے رہے۔ غرضیکہ ایک دوست سماٹرا اور دوسرا برما سے مجھے ملنے کے لیے آیا۔ میں اپنے دوران سفر میں اپنے والد کو تین ہزار روپیہ بھیج چکا تھا۔ چار سو روپیہ جب انہوں نے مجھے جاتے وقت دیا تھا۔ وہ روپیہ کا ویسا بنک میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے تین سو ننانوے روپے وہ بھی والد کو دے دیے۔ ایک روپیہ اب بھی میرے ہیرو یعنی ڈیڈا کونٹ میں موجود ہوگا۔ دو ماہ کے بعد میرے ایک رشتہ دار دوست عطاء الرحمن صاحب جو ملٹری میں انجنیئر تھے۔ تشریف لائے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے۔ کہ تیرے پاس ڈپلومے تو کافی ہیں۔ ملٹری کی نوکری کر لو۔ میں پہلے ہی چاہتا تھا۔ کہ ملٹری پر ایک کتاب لکھوں۔ اور چند یوم بھرتی ہو جاؤں۔ اور خلاصی بھی ہو جائے۔ خادم مصطفےٰ بھرتی بھی ہو گیا۔ خلاصی بھی ہو گئی۔ اور کتاب بھی لکھی گئی۔ میں لاہور آیا۔ اور کمانڈنگ آفیسر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے امتحان لینے کے واسطے ایک انگریز کپتان کو مقرر کیا۔ اس نے ایک سکوٹر میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور کہا کہ اس کو کھولو۔ اُس نے کچھ مزدور میری مدد کے لیے دیے۔ جیسے میں کہتا گیا۔ وہ مزدور کرتے گئے۔ انجن کے تمام پرزے علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیے گئے۔ ساتھ ہی جو نقائص وغیرہ تھے۔ وہ دور کرتا گیا۔ میرے دوست عطاء الرحمن کھڑے ہر ... حیران ہو رہے تھے

کپتان نے کہا۔ اس کو فٹ کرو۔ میں نے مزدوروں کی مدد سے دوبارہ انجن فٹ کر دیا۔ انہوں نے انجن کو چالو کیا۔ بہت خوش ہوئے۔ پھر ایک لوہے کی پتری دی۔ اور فرمایا۔ اس کو فائل کرو۔ یعنی ریتی لگاؤ۔ فٹری کے کام میں ریتی لگانا بہت مشکل کام ہے اس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ کہ ہموار کر دو۔ میں نے اسی روز وہ چیز فائل کر دی۔ وہی کپتان مجھے کمانڈنگ آفیسر لاہور کے پاس لے گیا۔ اور کمانڈنگ آفیسر سے کہا۔ کہ یہ جوان کاریگر ہے۔ کمانڈر نے فرمایا کہ میں آپ کو وارنٹ آفیسر کر دیتا ہوں۔ میں نے عرض کی میں نے پہلے ملٹری کی ملازمت نہیں کی۔ اسلیے ملٹری کا ماحول دیکھ لوں۔ آفیسر مان گیا۔ دو ہفتہ کے لئے ملٹری کا ماحول دیکھنے کی اجازت دے دی جائے۔ عطاءالرحمن مجھے گھر لے گیا۔ اس کی بیوی نے میری خاطر مدارات کی۔ دوسرے روز میں چھاؤنی میں گیا۔ ٹینٹ میں رہائش اختیار کی۔ ایک سپاہی مجھے دے دیا گیا۔ علی الصبح بگل بجا پریڈ شروع ہوئی۔ حکم ہوا کہ "مارچ" MARCH چلنا شروع کر دیا۔ پھر حکم ہوا۔ کہ ڈبل مارو۔ دوڑنا شروع کر دیا۔ ٹیوں میں گھسو ٹینٹوں میں چلے گئے۔ آواز آئی ٹی کرو؟ تمارٹیں حکم سے ٹی خشک ہو جاتی ہے۔ آئے کہاں سے۔ پھر آواز آئی اٹھو اٹھو؟ کھڑے ہوئے۔ لائن اپ "ایک قطار میں ہو جاؤ" اور واپس اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔ سارا دن ورکشاپ میں رہا۔ سب مستری ایک ہی دن میں

مجھ سے محبت کرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ دیکھئے انجیر صاحب آپ خدا کے واسطے ضرور کمانڈر کی پیش کش کو قبول کرلیں۔ میں پھر کمانڈر انچیف کے سامنے پیش ہؤا۔ ایسی مزیدار باتیں کیں۔ کہ بہت خوش ہوئے۔ ایک پٹھان ان کا جمعدار تھا۔ جوکہ ان کا بہت چہیتا تھا۔ آزاد علاقے کا پٹھان تھا۔ صاحب بہادر اُس سے پوچھا کرتے تھے۔ کہ خان کیا مانگتے ہو۔ جمعدار جواب دیتا کہ صاحب آگے جانا مانگتا ہوں۔ پیچھے رہنا نہیں مانگتا۔ صاحب بہت خوش ہوتے تھے۔ دو ہی دن میں کمانڈر کی وجہ سے میرے بہت گہرے تعلقات ہو گئے۔ میرا ٹینٹ اپنے ٹینٹ کے پاس لے گیا۔ مجھ سے فارسی میں گانا سنا کرتے تھے۔ میں ان کو گرامی کے شعر گا کر سنایا کرتا تھا۔

دیدم گرامی را در خلدِ بریں اِمشب

اہلہ بہشت اندر دانا بعذاب اندر

ترجمہ:۔ میں نے ایک رات گرامی کو بہشت میں دیکھا۔

بے وقوف بہشت میں دیکھا۔ اور عقل مند دوزخ میں۔

این جُرم گرامی نیست جُز کاہلی دیری

دیرینہ غلامے را مفروش ببازارے

ترجمہ:۔ یہ گرامی کی غلطی نہیں۔ یہ غلطی بڑھاپے کی وجہ سے ہے

میں آپ کا مدت سے غلام ہوں۔ مجھے بازار میں نہ بیچو۔

جمعدار یہ شعر سُن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ایک رات مصنوعی

لڑائی کا بگل بجا۔ ساری پلٹن حاضر۔ مگر جمعدار ندارد۔ میں بھاگ کر ان
کے ٹینٹ میں گیا۔ برطانیہ کے وقت میں انگریزوں کا ہر ایک راجہ
مہاراجہ سے یہ عہد و پیمان لیا جاتا تھا۔ کہ لڑائی کے موقع پر والئی ریاست
کچھ فوج دیا کرے۔ لہٰذا سرکار جموں و کشمیر نے پہلی جنگ عظیم کے
دوران میں اپنی فوج کا بیشتر حصہ پیش کیا۔ اور اپنی ریاست میں مزید
فوج بھرتی کرنے کا اعلان کیا۔ ایک انگریز افسر فوج کا معائنہ کرنے
کے لئے سری نگر پہنچا۔ کشمیر میں نہایت قد آور نوجوان ہوتے ہیں۔
بہت عقلمند قوم ہے۔ ایک دفعہ کشمیریوں نے پٹھانوں کو شکست
دی۔ غلامی اور غربت کی وجہ سے کاشمیری کچھ بزدل ہو گیا۔ انگریز افسر
کے سامنے ایک کاشمیری جوان پیش ہوا۔ فوجی جوان نے کہا۔ دیکھو
لڑائی میں بندوق کی گولیاں چلیں گی۔ کاشمیری نے جواب دیا حضرت
حضرت کاشمیری ہیں حضور کو ہاتا نہ۔ جناب کو بیبہ۔ بھائی کو، بہنی
بہن کو۔ اور بابو تو اسے کو ان گولیوں کو اپنے سینے پر کھاؤں گا۔ انگریز
افسر نے کہا۔ توپ کے گولے چلیں گے۔ کاشمیری نے کہا۔ اس کو سر پر
کھاؤں گا۔ صاحب نے کہا۔ اس کو وردی دے دو۔ اسے ایک
وردی دے دی گئی۔ اس نے وردی پہنی۔ اس کے انگریز افسر نے
ایک ہوائی فائر کیا۔ اور اسے بھرتی کر لیا گیا۔ اس کو کہا۔ کہ تم اپنے
خیمہ میں جاؤ۔ کاشمیری نے جانے سے پہلے عرض کی۔ کہ مجھے ایک
اور وردی دے دی جائے۔ انگریز افسر نے پوچھا کیوں؟ کاشمیری نے

بوہوئے کہ قمیض کی جگہ پتلون پہنی شروع کر دی۔ اور جواب دیا کرتے تھے۔

جواب دیا۔ کہ اس ہوائی فائر کی وجہ سے میرا پیشاب نکل گیا ہے
دوسرے روز اس کاشمیری کو فُل بوٹ دیئے گئے۔ کاشمیری فُل بوٹ
تو کیا۔ چھوٹے بوٹ بھی نہیں پہن سکتے۔ کاشمیری نوجوان کو تسمے نہ لگانے
آئے۔ اپنے افسر کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا "الیس نورگنا" یعنی میرے
بوٹوں کے تسمے کس دو۔ کاشمیری کے دل میں یہ خیال تھا۔ کہ گورنمنٹ سنٹرے
سے ایک چٹھی آئی ہے۔ کہ آپ سینٹری انسپکٹر کی جگہ پر رکھ لئے گئے ہیں۔
د مجھے ملٹری پر کتاب لکھنے کی وجہ سے ضرور بھرتی ہونا تھا۔ تنخواہ
صرف چونسٹھ روپے ہوگی۔ چونسٹھ روپے کے تو سگرٹ ہو گئے۔
شراب کہاں سے پیتا۔ اگر میں آٹھ روز لاہور چھاؤنی میں نہ رہا ہوتا۔
تو ضرور وہاں چلا جاتا۔ اسی روز میرے پرانے مہربان مبارک مند سالک
تشریف لائے "فرمانے لگے" خادم مصطفےٰ کل سکول میں آؤ۔ اور
دسویں جماعت کو لکچر دو۔ میں نے جواب دیا۔ بہت اچھا جناب
دوسرے روز انہوں نے دو تین فریق دسویں اور نویں کے ہال میں
اکٹھے کئے۔ ابھی میں لیکچر شروع ہی کرنے والا تھا۔ کہ ایک طالب علم
نے سوال کیا۔ ڈاکٹر صاحب بہت کوشش کی ہے۔ مگر جغرافیہ
اور ہسٹری یاد نہیں ہوتا۔ دیکھو طالب علمو! میں ہسٹری اس طرح یاد
کیا کرتا تھا۔ اگر آپ نے انگلستان کی ہسٹری پر عبور حاصل کرنا
ہو۔ تو ایک چارٹ لیں۔ اول بادشاہ سے لے کر آخیر بادشاہ تک
ان کے نام لکھ لیں۔ جیسے انگلستان کا پہلا بادشاہ الفریڈ دی گریٹ

(Alfred the Great) ۸۷۱ء میں ہوا۔
دوسرا ایڈورڈ دی ایلڈ ۹۰۰ء میں ہوا۔

تیسرا ایتھلسٹن (Athelstan) ۹۲۴ء میں

چوتھا۔ ایڈمنڈ دی ایلڈر Edmund the Elder ۹۴۰ء میں

پانچواں۔ ایڈریڈ (EDRED) ۹۴۶ء میں

چھٹا۔ ایڈوے EDWY ۹۵۵ء میں

ساتواں۔ ایڈگر EDGAR ۹۵۹ء میں

آٹھواں۔ ایڈورڈ EDWARD ۹۷۵ء میں

نواں ایتھلرڈ (Ethelred) ۹۷۸ء میں اسوقت پنجاب کا حکمران جے پال تھا۔ جے پال نے محمود غزنوی پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔

دسواں۔ ایڈمنڈ آئرن سائڈ Edmund Ironside ۱۰۱۶ء میں اس وقت پنجاب میں جے پال کا بیٹا انند پال راجہ تھا۔

گیارھواں۔ کینوٹ (Canute) ۱۰۱۶ء میں

محمود نے کینیوٹ کے زمانے میں سومنات پر حملہ کیا۔ یعنی ۱۰۲۴ء میں اس دور میں حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ لاہور میں تشریف لائے۔

بارھواں - ہیرولڈ Harold ۱۰۳۵ء میں
مسعود غزنوی یعنی محمود غزنوی کا لڑکا غزنوی میں بادشاہ تھا۔

تیرھواں - ہارڈ کینوٹ Hardcanunt ۱۰۴۰ء میں

چودھواں - ایڈورڈ دی کنفیسر Edward the Confessor ۱۰۴۲ء میں

پندرھواں ہیرولڈ دوم (Harold) ۱۰۶۶ء میں

سولھواں۔ ولیم دی کنکرر William the Conqueror ۱۰۶۶ء میں۔ شہاب الدین محمد غوری اسی زمانہ میں خواجہ معین الدین صاحب اجمیری اجمیر شریف میں تشریف لائے۔

سترھواں ولیم دوم (William) ۱۰۸۷ء میں

اٹھارواں۔ ہنری اوّل (Henry) ۱۱۰۰ء میں

انیسواں۔ سٹیفن (Stephen) ۱۱۳۵ء میں

بیسواں - ہنری دوم (Henry ۱۱۵۴ء میں

اکیسواں - رچرڈ اول (Richard ۱۱۸۹ء میں
شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۱ء میں ٹراوڑی کے میدان میں پرتھوی راج پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ ۱۱۹۲ء میں پھر حملہ کیا۔ اور پرتھوی راج کو شکست دی۔ پرتھوی راج دوسری ٹراوڑی جنگ میں تہہ تیغ ہوا۔ شہاب الدین محمد غوری کے زمانہ لاہور میں تشریف لائے۔ اور اجمیر میں خواجہ معین الدینؒ آئے

بائیسویں - جان John ۱۱۹۹ء میں۔ شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۴ء میں جے چند والئے قنوج کو شکست دی۔ جے چند لڑائی میں مارا گیا۔ ۱۲۰۶ء میں محمد غوری نے گھکڑوں پر پنجاب میں حملہ کیا۔ اور ایک گھکڑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

تیئسواں - ہنری سوم (Henry) ۱۲۱۶ء میں ۔ التمش کو
التمش کے سوتیلے بھائیوں نے ایک تاجر کے پاس بیچا۔

چوبیسواں - ایڈورڈ اول (Edward) ۱۲۷۲ء میں
غیاث الدین بلبن اس زمانہ میں حضرت بوعلی قلندر المعروف
شرف شاہ پانی پت میں آئے۔ اور امیر خسروؒ درباری شاعر تھے۔ امیر خسروؒ نے
ستار ایجاد کی۔

پچیسواں - ایڈورڈ دوم (Edward) ۱۳۰۷ء میں
فیروز شاہ جلال الدین خلجی

چھبیسواں - ایڈورڈ سوم ۱۳۲۷ء میں
محمد شاہ تغلق (جس کا اصلی نام جونا خان تھا)

ستائیسواں۔ رچرڈ (Richard) ۱۳۷۷ء میں۔ فیروز شاہ تغلق

اٹھائیسواں۔ ہنری چہارم (Henry) ۱۳۹۹ء میں۔ امیر تیمور کے حملے

انتیسواں۔ ہنری پنجم ۱۴۱۳ء میں خضر خاں سادات

تیسواں۔ ہنری ششم ۱۴۲۹ء میں۔ محمد شاہ و بہلول لودھی

اکتیسواں۔ ایڈورڈ چہارم (Edward) ۱۴۶۱ء میں

بتیسواں۔ ایڈورڈ پنجم۔ ۱۴۸۳ء میں

تینتیسواں۔ رچرڈ سوم Richard ۱۴۸۳ء میں

چونتیسواں۔ ایڈورڈ چہارم ۱۴۸۵ء میں ـــ سکندر لودھی

پینتیسواں۔ ہنری ہشتم ۱۵۰۹ء میں۔
ظہیرالدین بابر۔ گورو نانک جی مہاراج

چھتیسواں۔ ایڈورڈ ششم (Edward) ۱۵۴۷ء میں۔ علاؤالدین دوم

سینتیسواں۔ میری اول (Mary) ۱۵۵۳ء میں جلال الدین اکبر

اڑتیسواں۔ الزبتھ اول (Elizabeth) ۱۵۵۸ء میں

انتالیسواں۔ جیمز آف انگلینڈ (James of England) ۱۶۰۳ء میں۔ نورالدین سلیم جہانگیر۔ گورو ارجن دیو صاحب سکھوں کے پانچویں گورو اور حضرت مجدد الف ثانیؒ۔ جہانگیر نے ان دونوں درویشوں کو تکلیف دی۔ اور نور جہاں نے شاہی طبیب حکیم روح اللہ کی رہائی کا فرمان جاری کیا۔ جہانگیر کو ملکی جنگجو مہابت خاں نے جہلم کے مقام پر قید کیا اور قلعہ کی حفاظت میں اٹک لے گیا۔ نور جہاں کی سیاست نے اس کی رہائی کرائی۔

چالیسواں - چارلس اوّل Charles I سنہ ۱۶۲۶ء میں
شہاب الدین محمد شاہ جہاں۔

اکتالیسواں - چارلس دوم سنہ ۱۶۶۰ء میں - اورنگ زیب عالمگیر سیواجی
اورنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ پہلے مسلمان بادشاہ ہیں۔ جنہوں نے سیفٹی ایکٹ ایجاد کیا۔ اور اپنے والد ماجد کو بغیر مقدمہ چلائے نظر بند کیا۔ اچھا کیا بخشے مغفرت کرے ورنہ شاہجہان خزانہ لٹا دیتا۔ اور اپنے دارالسلطنت کے سکھوں کا قتل عام کیا اور حضرت سرمدؒ کو قتل کرا دیا۔

تبالیسواں - جیمز دوم - James II سنہ ۱۶۸۵ء میں

ترتالیسواں - ولیم سوم William III سنہ ۱۶۸۸ء میں

چوالیسواں ۔ این Anne سنہ ۱۷۰۲ء میں

پینتالیسواں ۔ جارج اول George I سنہ ۱۷۱۴ء میں

چھیالیسواں ۔ جارج دوم سنہ ۱۷۲۷ء میں ۔ محمد نادر شاہ
نعمت خاں سدارنگ نے سارنگی ایجاد کی ۔ اور طبلہ کامل خاں جی نے ایجاد کیا۔

سینتالیسواں ۔ جارج سوم سنہ ۱۷۶۰ء میں ۔ شاہ عالم ثانی

اڑتالیسواں ۔ جارج چہارم سنہ ۱۸۲۰ء میں ۔ ابوظفر بہادر شاہ ثانی ظفر

انچاس واں ۔ ولیم چہارم ۔ William ۱۸۳۰ء میں
ابوظفر بہادر شاہ ثانی ظفر

پچاس واں ۔ ملکہ وکٹوریہ Victoria ۱۸۳۷ء میں ۔
غدر ۱۸۵۷ء ۔ انگلستان میں ۲۲ فروری ۱۸۵۷ء بیڈن پاول نے
سکاؤٹنگ کی تحریک شروع کی ۔

اکاون واں ۔ ایڈورڈ ہفتم ۔ ۱۹۰۲ء میں ۔
لارڈ کرزن

باونواں - جارج پنجم George V ۱۹۱۱ء میں
لارڈ ہارڈنگ ثانی اور پیارے پیارے خادم مصطفیٰ کی پیدائش ۱۹۱۱ء
ہے - اسی سال دہلی دربار لگا -

ترپنواں - ایڈورڈ ہشتم ۱۹۳۶ء میں - مسز سمسن کی خاطر تخت
چھوڑ دیا گیا - شاید سیاسی معاملات بھی حائل ہوں گے -

چونواں - جارج ششم - ۱۹۳۶ء میں
لارڈ لنلتھگو ۱۹۴۷ء اگست ۱۴ (نزول) پاکستان -
قائداعظم محمد علی جناح مرحوم گورنر جنرل مقرر ہوئے -

پچپنواں - ملکہ الزبتھ دوم Elizabeth ۱۹۵۲ء میں
پاکستان سلطنت جمہوریہ بنا -

نوٹ:- جہاں خالی جگہ چھوڑیں گئیں ہیں۔ وہاں اپنے ملک کے گزرے ہوئے بادشاہوں کے نام لکھ لیویں۔ اور سن وغیرہ بھی۔ جتنے ملکوں کی ہسٹریاں یاد کرنی ہوں۔ ان بادشاہوں کے کارنامے لکھ لیویں۔ علی الصبح جتنا آپ کا کورس ہو۔ وہ سکول سے گھر جاتے وقت پڑھتے جائیں۔



خان حمید اللہ خاں

خانصاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۹ء بروز اتوار دن کے پونے ایک بجے ہوئی۔ آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی میں ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ ایک بہت خوش شکل انسان مجھے اٹھ کر ملا۔ میں نے عرض کی۔ خانصاحب میں اخباری نامہ نگار ہوں۔ میرا نام خادم مصطفےٰ ہے۔ کیونکہ میری پہلی تصنیف بہ عنوان ملاقاتیں جلد اول موجود نہیں۔ میں ایک ہفتہ کے بعد آپ کو پیش کروں گا۔ کیونکہ میرے دل میں پٹھانوں کی بہت عزت ہے۔ اور بہت مہمان نواز قوم ہے۔ کہنے لگے۔ دے دے کے بس یہی ایک چیز تو ہمارے پاس رہ گئی ہے۔ میں نے کہا۔ ہنس صاحب پٹھان دوستوں کے دوست بھی ہیں۔ فرمانے لگے۔ پٹھان دوست بھی ہیں۔ میں نے کہا۔ ان کی امان میں اگر ان کا دشمن بھی آجائے تو اس کی حفاظت میں اپنی جان دے دیگا۔ اس سے زیادہ اور بہت سی بھی خوبیاں ہیں۔ اور یہ دوسری جلد جو کہ مجلد نہیں ہے۔ میں جلد کرواکر آپ کو پیش کر دوں گا۔ آپ نے

فوراً میرے ہاتھ سے کتاب لے کر پڑھنا شروع کر دی میں نے کہا کہ خانصاحب دیکھئے۔ اِس کتاب کا نام ملاقاتیں ہے۔ اور آپ کا ذکر میری اس کتاب میں آجائیگا۔ آپ اپنے کوائف بتائیں۔ بھولے پن سے فرمانے لگے۔ بھئی میں تو بہت چھوٹا آدمی ہوں۔ اور میرا ذکر اتنے بڑے بڑے آدمیوں میں کیسے آسکتا ہے۔

دیکھئے قارئین! بڑا آدمی اپنے آپ کو چھوٹا آدمی کہا کرتا ہے ثمردار درخت جھکتا ہے۔ اور بغیر پھل کے سر کو اکڑتا ہے:۔

خان حمید اللہ خان ۱۹۰۳ء میں موضع عمرزئی ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ساؤتھ ولٹ سفوک انگلینڈ (South wolt suffolk) میں پائی۔ ۱۹۲۴ء میں بار ایٹ لا کیا۔ اور پھر پشاور میں پبلک پراسیکیوٹر رہے۔ اس کے بعد آپ لندن میں سپلائی کے سیکریٹری رہے۔ دورانِ جنگ میں ڈائریکٹر آف سپلائی تھے۔ نئی دلی میں پاکستان بننے کے بعد آپ ڈائریکٹر آف سپلائی لوہا فولاد اور کول کمشنر پاکستان رہے۔ اور اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آج کل آپ جنرل منیجر شلیح کاٹن ملز اوکاڑہ ہیں۔ دیکھئے قارئین کتنے چھوٹے آدمی ہیں۔ آپ کے والد ماجد خان بہادر خان سعد اللہ خان سرحد میں مسلم لیگ کے بانی مبانی تھے۔ اور انہیں کی کاوشوں کی وجہ سے وہاں کے

بڑے بڑے باا ثر مسلمان کانگریس کو چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے
خان بہادر خان سعد اللہ خاں فوت ہو چکے ہیں۔ ان پر ہزاروں سلام
آپ محمودی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ خان حمید اللہ خاں
میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں گے۔ اور بھی باتیں ہوتی رہیں۔
آپ ایک یونٹ کے حامی ہیں۔ فرمانے لگے۔ کہ انگریز نے ہمارے
علاقے کو ایک خلا بنا رکھا تھا۔ تاکہ پٹھان کسی اور کو مل ملا نہ سکیں۔
اور یہ علاقہ اس نے اپنے سپاہیوں کو لڑائی سکھانے کے لئے رکھا
ہوا تھا۔ تاکہ اسکی فوج سست نہ پڑ جائے۔ ادھر سرداروں کی
پنشنیں لگائی ہوئی تھیں۔ اور دوسری طرف مار کٹائی ہوتی تھی۔
اب ون یونٹ بننے سے پٹھان پنجابی کی عادات شناخت کریگا۔
سندھی پٹھانوں سے واقف ہوگا۔ پنجابی اپنے ہمسایہ بلوچی سے
اچھی طرح سے مل جل سکیگا۔ میں نے کہا۔ خانصاحب پتے کی بات
ہے :-

چوہدری عبدالرزاق خاں

چوہدری صاحب کوسلسل راجپوت ہیں۔ ان کے جد امجد نے جب شہاب الدین غوری کو گھوڑا دیا۔ اس کے معاوضہ میں گھوڑے ماپ زمین لی۔ یہ گھوڑڈہ کہلائے۔ ان کے والد چوہدری عبدالرحمٰن خاں صاحب تحصیلدار تھے۔ چوہدری عبدالرزاق نے ابتدائی تعلیم گڑھشنکر میں پائی۔ وہاں ان کے والد کی زمین جس میں دس ایکڑ باغ اور ساڑھے چار ایکڑ شہری باغ ہے۔ اور بعد میں رندھیر کالج کپورتھلہ میں ایف۔ اے پاس کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔ اے تک تعلیم پائی۔ گڑھشنکر ہوشیارپور میں واقع ہے۔ اس کے دوران لڑائی میں یعنی دوسری جنگ عظیم میں آپ اسسٹنٹ پبلسٹی آفیسر مقرر ہوئے۔ آپ رائل انڈین نیوی میں پی۔ ٹی افیسر بھی تھے۔ اس کے بعد آپ نے پٹھان کوٹ سے تین میل موضع سرنہ میں دیہات سدھار سٹور اینڈ ملز بنائی۔ اور ساتھ ہی ضلع کی فوڈ گرین سٹڈی کمیٹ کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ اور ساتھ ہی ضلع کی فوڈ ایڈوائزری بورڈ کے ممبر رہے سرنہ میں بھی چار مربع زمین تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ایک دفعہ

میں چیچہ وطنی اسٹیشن پر کھڑا تھا۔ اچانک میرا ایک معزز دوست ملا۔ چوہدری عبدالرزاق بھی اتفاق سے وہاں ٹکٹ خریدنے کے لئے تشریف لے آئے۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا۔ کہ خادم مصطفےٰ میری بھی ٹکٹ لے لیں۔ مگر میرے پاس اپنی ٹکٹ کے پیسے موجود تھے۔ میں نے ٹکٹ بیچنے والے بالو سے کہا۔ کہ ایک ٹکٹ سیکنڈ کلاس اور ایک سرونٹ کلاس کا دے دیں۔ چوہدری عبدالرزاق کی مجھ سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ اتنے ذہین ہیں۔ کہ سارا ماجرا بھانپ لیا۔ اور مجھ سے کہنے لگے۔ کہ دیکھئے صاحب کہ آپ دونوں ٹکٹ سیکنڈ کلاس کی کروالیں۔ اور دو روپے اپنی جیب سے نکال کر ٹکٹ بیچنے والے کے حوالے کر دئے۔ لیکن میں بہت حیران ہوا۔ اور کہا۔ کہ صاحب آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ فرمانے لگے۔ کہ میرا نام عبدالرزاق ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے اپنا پتہ دیں۔ تا کہ میں آپ کو یہ دو روپے بھیج سکوں۔ فرمانے لگے۔ کہ میں اپنا پتہ نہیں دوں گا۔ پتہ اس وعدے پر دیتا ہوں۔ کہ آپ مجھے یہ دو روپے نہیں بھیجیں گے۔ میں نے کہا نہیں صاحب اپنا پتہ مجھے دیں۔ تب سے میری اور ان کی روزانہ ملاقات ہوتی ہے۔ اوکاڑہ میں آپ گرین ٹریڈرز کے مالک ہیں۔ اور مارکیٹ کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ دل بہادر ہیں۔ میں ان کو اپنی ٹرسٹ کمیٹی

کا مہر کرتا ہوں ۔ ادیب بھی ہیں ادیب نواز بھی ۔ خوش رہیں ۔
ایک دفعہ میں نے چوہدری عبدالرزاق صاحب سے عرض کی ۔ کہ چوہدری صاحب دیکھئے ۔ جب میری چوتھی جلد چھپے گی ۔ تو وہ شرسے ۔ شہروں کے لوگ اوکاڑہ والوں کی بہت عزت کیا کریں گے ۔ کیونکہ جن عمیق نظروں سے میں نے اوکاڑہ کو دیکھا ہے ۔ اس جیسے شہر کے لوگ دنیا میں نہیں ہیں ۔ ان سب باتوں کا ذکر جغرافیہ اوکاڑہ میں آئے گا ۔
چوہدری صاحب بہت سنجیدگی سے فرمانے لگے ۔ کہ دیکھو بھئی دوسری تیسری جلد کو چھوڑو ۔ اور چوتھی شروع کر دو ۔ تاکہ اوکاڑہ والوں کی عزت ہو ۔ قارئین دیکھئے ۔ کتنی بڑی بات ہے ۔ اپنی تو کوئی فکر نہیں ۔ مگر اپنے شہر کی حرمت کا کتنا پاس ہے ۔ اور پھر فرمانے لگے ۔ دیکھو اس جلد کی اشاعت میں میں آپ کی بہت مدد کروں گا ۔

کتبہ :- ایم ۔ محمد عبداللہ راہی فریدکوٹی ایچ ۔ پی وایچ ۔ یو پنجاب یونیورسٹی لاہور
اوکاڑہ پوسٹ آفس سنٹر ہیڈ

عبدالرزاق چوہدری

میرے پیارے دوستوں میں سے ایک دوست ہیں۔ باوجود عمر چھوٹی ہونے کے بہت عمدہ افسانے سپردِ قلم کرتے ہیں۔ جغرافیہ اوکاڑہ میں ان کا ایک آدھ افسانہ چھاپ دیا جائیگا۔ میں نے ایسے جامہ زیب آدمی کم دیکھے ہیں۔ جب یہ تینوں دوست ملک ساجد، باسط حسین اور قسیم حیدر مالک مقدر بکڈپو اور چوہدری صاحب سیر کو نکلتے ہیں۔ تو میں دل میں یہ دعا کرتا ہوں۔ کہ قدرت آپ کو نظر بد سے بچائے۔ چوہدری صاحب میرے عزیز دوست محمد اسحاق ضیاء کے چھوٹے بھیا بھی ہیں اسحاق ضیاء صاحب مجھ سے ہمیشہ کہا کرتے ہیں۔ کہ بھیا خادم مصطفٰے آپ مجھے اپنا شاگرد بنالیں۔ میں کہا کرتا ہوں۔ پگڑی لاؤ۔ فرمایا کرتے ہیں۔ کہ پگڑی کیا کروگے۔ میں کہا کرتا ہوں۔ کہ پگڑی کو پگڑی پر پیچ دوں گا۔ لہذا یہ چاروں میری ٹرسٹ کمیٹی کے ممبر ہوں ۞ ژ